نضر اللہ امرءًا سمع منا حدیثًا فحفظہ حتی یبلغہ



بسم اللہ الرحمن الرحیم
اللہ نزل احسن الحدیث

ماھنامہ اشاعۃ الحدیث حضرو

شمارہ نمبر 106

رجب ۱۴۳۴ھ
جون ۲۰۱۳ء

مدیر
حافظ زبیر علی زئی





- علم غیب کے بارے میں ایک سخت ضعیف روایت
- مقالہ "حسن لغیرہ" پر ایک نظر
- تجلیاتِ صداقت (شیعہ کتاب) کی دو روایتوں کا جواب
- امام ابوبکر عبداللہ بن الزبیر بن عیسیٰ الحمیدی المکی رحمہ اللہ
- ضعیف روایات اور بریلویہ ۔۔۔
- مسند الربیع بن حبیب نامی کتاب ہرگز ثابت نہیں



مکتبۃ الحدیث حضرو، اٹک : پاکستان

ابو معاذ

محدثین کرام ہی برحق گروہ اور طائفۂ منصورہ ہیں

عبدالحئ لکھنوی (م ۱۳۰۴ھ) نے لکھا ہے:

" و من نظر بنظر الانصاف و غاص فی بحار الفقه والأصول مجتنبًا عن الاعتساف يعلم علمًا يقينيًا أن أكثر المسائل الفرعية والأصلية التي اختلف العلماء فيها فمذهب المحدثين فيها أقوى من مذاهب غيرهم و إني كلما أشير في شعب الاختلاف أجد قول المحدثين فيه قريبًا من الانصاف فلله درهم و عليه شكرهم . كيف لا وهم ورثة النبي ﷺ حقًا و نواب شرعه صدقًا. حشرنا الله في زمرتهم و أماتنا على حبهم و سيرتهم ."

اور جس نے انصاف کی نظر سے دیکھا اور ظلم و نا انصافی سے اجتناب کرتے ہوئے فقہ و اصول کے سمندروں کی غوطہ زنی کی تو وہ یقینی علم کے طور پر جانتا ہے کہ اکثر فروعی واصولی مسائل جن میں علماء کا اختلاف ہے، ان میں دوسروں کے مسالک سے محدثین کا مسلک زیادہ مضبوط ہے اور میں جب بھی اختلاف کی گھاٹیوں میں اشارہ کرتا ہوں (یا گھاٹیوں میں چلتا ہوں) تو محدثین کا قول انصاف کے قریب پاتا ہوں۔ پس اللہ ہی انھیں خیر کثیر عطا فرمائے اور ان کی قدر کرے۔ ایسا کیوں نہ ہو! اور وہ تو نبی ﷺ کے سچے وارث اور آپ کی شریعت کے صحیح نائب ہیں۔ اللہ ہمیں ان کی جماعت میں اُٹھائے اور ان کی محبت وسیرت پر ہمارا خاتمہ کرے۔ (امام الکلام ص ۲۱۶)

اس عبارت میں لکھنوی صاحب نے اس بات کا اعلان کیا ہے کہ محدثین کرام ہی برحق گروہ اور طائفہ منصورہ ہیں، یہی لوگ نبی کریم ﷺ کے سچے وارث ہیں اور ان سے محبت کرنی چاہیے۔ کتنے بدنصیب ہیں وہ لوگ جو ثقہ وصدوق صحیح العقیدہ محدثین کرام کو تنقید و تنقیص کا نشانہ بناتے ہیں۔

(۱۰/ اپریل ۲۰۱۳ء)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

106

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ

ماہنامہ اشاعۃ الحدیث حضرو

مدیر: حافظ زبیر علی زئی

نائب مدیر: حافظ ندیم ظہیر

نضر اللہ امرءًا سمع منا حدیثًا فحفظه حتى یبلغه

جلد: 10 | رجب ۱۴۳۴ھ جون ۲۰۱۳ء | شمارہ: 6

اس شمارے میں

قیمت

فی شمارہ: 25 روپے

سالانہ: 400 روپے

مع محصول ڈاک پاکستان

خط کتابت

مکتبۃ الحدیث

حضرو ضلع اٹک

ناشر: حافظ شیر محمد

0300-5288783

مقام اشاعت

مکتبۃ الحدیث

حضرو ضلع اٹک

برائے رابطہ

0302-5756937

اضواء المصابیح

أضواء المصابيح في تحقيق مشكوة المصابيح

الفصل الثاني

٤٠١) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:
((اِذَا لَبِسْتُمْ وَاِذَا تَوَضَّأْتُمْ، فَابْدَؤُوْا بِاَيَامِنِكُمْ.))
رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوُدَ.

ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم کپڑا پہنو اور جب وضو کرو تو دائیں طرف سے شروع کیا کرو۔

اسے احمد (۳۵۴/۲ ح ۸۶۳۷) اور ابوداود (۴۱۴۱) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس کی سند ضعیف ہے۔

اسے ابن حبان (۴۰۲) نے بھی روایت کیا ہے، ابن خزیمہ (۱۵۸) اور ابن حبان (۱۴۷، ۱۴۵۲) نے صحیح قرار دیا ہے۔

اس کی سند میں علت قادحہ یہ ہے کہ سلیمان الاعمش مدلس تھے اور یہ روایت عن سے ہے۔اعمش کی تدلیس کے لئے دیکھئے حدیث سابق:۱۰۲

اس باب میں سنن ترمذی (۱۷۶۶) کی حدیث صحیح ہے اور اس کا متن درج ذیل ہے:

"كان إذا لبس ثوبًا بدأ بميامنه" آپ (ﷺ) جب کپڑا پہنتے تو دائیں طرف سے شروع کرتے تھے۔اس کی سند صحیح ہے۔دیکھئے انوار الصحیفہ (ص ۱۴۷)

دائیں طرف سے وضو کرنے کے بارے میں صریح فعلی روایت کے لئے دیکھئے حدیث سابق:۴۰۰

یعنی یہ مسئلہ بالکل صحیح ہے کہ وضو دائیں طرف سے شروع کرنا چاہئے اور کپڑا بھی دائیں طرف سے شروع کر کے پہننا چاہئے لیکن درج بالا حدیث بلحاظ سند ضعیف ہے اور ہم اصولِ حدیث کی پابندی کی وجہ سے اسے ضعیف کہنے اور ضعیف سمجھنے کے پابند ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو دوغلی پالیسیوں اور متعارض و متناقض منہج سے بچائے۔ آمین

۴۰۲) وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:

((لَا وُضُوْءَ لِمَنْ لَمْ يَذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ.))

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ، وَابْنُ مَاجَه.

اور سعید بن زید (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص (وضو کے شروع میں) اللہ کا نام نہ لے تو اس کا وضو نہیں ہوتا۔

اسے ترمذی (۲۵) اور ابن ماجہ (۳۹۸) نے روایت کیا ہے۔

۴۰۳) وَرَوَاهُ اَحْمَدُ، وَاَبُوْدَاوُدَ، عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ.

۴۰۴) وَالدَّارِمِيُّ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ، عَنْ اَبِيْهِ، وَزَادُوْا فِيْ اَوَّلِهٖ: **((لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَّا وُضُوْءَ لَهٗ.))**

احمد (۲/ ۴۱۸ ح ۹۴۰۸) اور ابوداود (۱۰۱) [نیز ابن ماجہ (۳۹۹)] نے ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے۔ اور دارمی (۱/ ۱۷۶ ح ۶۹۷) نے (عبدالرحمٰن بن) ابوسعید الخدری عن ابیہ (سیدنا ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ) کی سند سے روایت کیا اور شروع میں یہ اضافہ بیان کیا: جو شخص وضو نہیں کرتا تو اس کی نماز نہیں ہوتی۔

تحقیق الحدیث: حسن ہے۔

سنن ابن ماجہ کی سند حسن لذاتہ ہے اور باقی تمام روایات بلحاظِ سند ضعیف ہیں۔

۴۰۵) وَعَنْ لَقِيْطِ بْنِ صَبِرَةَ قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اَخْبِرْنِيْ عَنِ الْوُضُوْءِ، قَالَ: **((اَسْبِغِ الْوُضُوْءَ، وَخَلِّلْ بَيْنَ الْاَصَابِعِ، وَبَالِغْ فِي الْاِسْتِنْشَاقِ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ صَائِمًا))** رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ، وَالتِّرْمِذِيُّ،

وَالنَّسَائِیُ، وَرَوَی ابْنُ مَاجَه، وَالدَّارِمِیُّ اِلَی قَوْلِهٖ: ((بَیْنَ الْاَصَابِعِ.))

اور لقیط بن صبرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ میں نے کہا: یارسول اللہ! مجھے وضو کے بارے میں بتائیں۔ آپ نے فرمایا: پورا اور مکمل وضو کیا کرو، انگلیوں کے درمیان خلال کرو اور ناک میں پانی ڈالنے میں مبالغہ کیا کرو اِلا یہ کہ تم روزے سے ہو۔

اسے ابوداود (۱۴۲) ترمذی (۷۸۸ وقال: حسن صحیح) اور نسائی (۱/ ۶۶ ح ۸۷، ۱/ ۷۹ ح ۱۱۴) نے روایت کیا ہے اور ابن ماجہ (۴۰۷، ۴۴۸) اور دارمی (۱/ ۱۷۹ ح ۷۱۱) نے "انگلیوں کے درمیان خلال کرو" تک روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: صحیح ہے۔

اسے ابن خزیمہ (۱۵۰، ۱۶۸) ابن حبان (موارد الظمآن: ۱۵۹) حاکم (المستدرک ۱/ ۱۴۷۔ ۱۴۸) اور ذہبی نے صحیح قرار دیا ہے۔

فقہ الحدیث:

۱: وضو صحیح طریقے اور اطمینان سے سنت کے مطابق کرنا ضروری ہے تاکہ کوئی جگہ خشک نہ رہ جائے۔

۲: انگلیوں کے درمیان خلال کرنا اور پوروں تک پانی پہنچانا ضروری ہے۔

۳: وضو کے دوران ناک میں پانی ڈالنا ضروری ہے۔

۴: بعض راویوں کا سند یا متن میں بعض الفاظ یا ناموں کا ذکر نہ کرنا ذرا بھی مضر نہیں اور اس سے حدیث کے صحیح ہونے میں کوئی فرق نہیں آتا بشرطیکہ یہ اضافہ بیان کرنے والا ایک ثقہ وصدوق یا زیادہ ثقہ راوی ہوں اور اس خاص روایت میں وہم وخطا ثابت نہ ہو۔

۵: صحابہ کرام دین کے مسائل سیکھنے میں ہر وقت مستعد رہتے تھے۔ رضی اللہ عنہم

۶: قرآن کے ساتھ ساتھ حدیث کی طرف بھی رجوع ضروری ہے۔

۷: حدیث حجت ہے۔

۴۰۶) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم:

((اِذَا تَوَضَّأْتَ فَخَلِّلْ اَصَابِعَ يَدَيْكَ وَرِجْلَيْكَ)) رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ ، وَرَوَى ابْنُ مَاجَه نَحْوَهُ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ: هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ.

اور ابن عباس (رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تُو وضو کرے تو اپنے ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں کا خلال کر۔

اسے ترمذی (۳۹) نے روایت کیا اور فرمایا: یہ حدیث غریب ہے۔

اور ابن ماجہ (۴۲۷) نے اسے اسی طرح کے مفہوم سے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: حسن ہے۔

۴۰۷) وَعَنِ الْمُسْتَوْرِدِ بْنِ شَدَّادٍ قَالَ: رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِذَا تَوَضَّأَ يَدْلُكُ اَصَابِعَ رِجْلَيْهِ بِخِنْصَرِهِ .

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَه.

اور مُستورد بن شداد (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ میں نے دیکھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب وضو کرتے تو پاؤں کی انگلیاں اپنی چھنگلی (چھوٹی انگلی) سے رگڑتے تھے۔ اسے ترمذی (۴۰ وقال: حسن غریب) ابوداود (۱۴۸) اور ابن ماجہ (۴۴۶) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: صحیح ہے۔

۴۰۸) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِذَا تَوَضَّأَ اَخَذَ كَفًّا مِّنْ مَّآءٍ ، فَاَدْخَلَهُ تَحْتَ حَنَكِهِ ، فَخَلَّلَ بِهِ لِحْيَتَهُ ، وَقَالَ:

((هٰكَذَا اَمَرَنِيْ رَبِّيْ.)) رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ.

اور انس (بن مالک رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب وضو کرتے تو ایک چلو پانی لیتے، پھر اسے اپنی ٹھوڑی کے نیچے داخل کرتے پھر اس کے ساتھ داڑھی کا خلال کرتے اور فرماتے: میرے رب نے مجھے اسی طرح حکم دیا ہے۔

اسے ابوداود (۱۴۵) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس کی سند ضعیف ہے۔

اس روایت کی سند میں ولید بن زوران راوی ہیں، جنھیں حافظ ابن حبان نے اپنی کتاب الثقات میں اتباع التابعین میں ذکر کیا ہے۔ (۷/ ۵۵۰۔۵۵۱)

اور محدث بیہقی نے انھیں ثقہ کہا۔ (معرفۃ السنن والآثار ۴/ ۳۷)

حافظ ذہبی نے ان کے بارے میں فرمایا: "ثقة" (الکاشف ۳/ ۲۵۹ ت ۶۰۶۱)

جبکہ دوسری دفعہ خود حافظ ذہبی نے ہی فرمایا: "ما ذا بحجة"

یہ راوی حجت نہیں۔ (میزان الاعتدال ۴/ ۳۳۸ ت ۹۳۶۶)

یہ دونوں اقوال باہم ٹکرا کر ساقط ہو گئے، جیسا کہ خود حافظ ذہبی کے اپنے اصول سے بھی ثابت ہے۔ (دیکھئے میزان الاعتدال ۲/ ۵۵۲ ت ۴۸۲۹، ترجمۃ عبدالرحمٰن بن ثابت بن الصامت)

ولید بن زوران سے ایک جماعت نے روایت بیان کی اور حافظ ابن حبان کا انھیں تبع تابعین میں ذکر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے نزدیک ولید بن زوران کی سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے ملاقات ثابت نہیں۔

حافظ ابن حجر نے انھیں "لین الحدیث" یعنی ضعیف قرار دے کر طبقۂ خامسہ کے راویوں میں ذکر کیا۔ (تقریب التہذیب: ۷۴۲۳)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی یہ دونوں باتیں محلِ نظر ہیں:

۱: جمہور کی توثیق کے بعد لین الحدیث کی جرح مرجوح ہے۔

۲: جب وہ اتباع التابعین یعنی طبقۂ سادسہ یا سابعہ میں سے ہیں تو انھیں طبقۂ خامسہ میں ذکر کرنا غلط ہے۔

خلاصۃ التحقیق یہ ہے کہ ولید بن زوران اگرچہ صدوق حسن الحدیث راوی ہیں، لیکن یہ سند متصل ثابت نہ ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

مستدرک الحاکم (۱/ ۱۴۹ ح ۵۲۹۔۵۳۰) میں اس کے دو ضعیف شواہد بھی ہیں۔

(دیکھئے انوار الصحیفۃ ص ۱۸)

یہ روایت اپنے شواہد کے ساتھ ضعیف ہی ہے۔ واللہ اعلم



توضیح الأحکام

حافظ زبیر علی زئی

سوال وجواب — تخریج الاحادیث

علم غیب کے بارے میں ایک سخت ضعیف روایت

سوال ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

" **إن اللّٰہ تعالٰی قد رفع لي الدنیا فأنا أنظر إلیھا و إلٰی ما ھو کائن فیھا إلٰی یوم القیامة کأنما أنظر إلٰی کفي ھذہ، جلیان من اللّٰہ جلاہ لنبیه کما جلاہ للنبیین من قبله.** " بے شک اللہ تعالیٰ نے دنیا کو اٹھا کر میرے سامنے کر دیا ہے اور میں دنیا کو اور جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے وہ سب کچھ دیکھ رہا ہوں جیسا کہ میں اپنے ہاتھ کی اس ہتھیلی کو دیکھتا ہوں۔ یہ اللہ کی طرف سے کشف واظہار ہے جو اس نے اپنے نبی کے لئے ظاہر کیا، جیسا کہ اس نے آپ سے پہلے نبیوں کے سامنے ظاہر کیا تھا۔

(کنز العمال ۱۱/ ۴۲۰ ح ۳۱۹۷۱ بحوالہ طبرانی [مجمع الزوائد ۸/ ۲۸۷] اور حلیۃ الاولیاء ۶/ ۱۰۱)

کیا یہ روایت صحیح ہے؟ (محمد ہارون، برنالہ آزاد کشمیر)

الجواب طبرانی اور ابونعیم اصبہانی کی اس روایت کی سند درج ذیل ہے:

"**بقیة عن سعید بن سنان: ثنا أبو الزاھریة عن کثیر بن مرة عن ابن عمر رضي اللّٰہ عنه**" مرفوعًا.

اس کا بنیادی راوی ابومہدی سعید بن سنان الشامی الحنفی سخت مجروح راوی ہے۔

امام بخاری نے فرمایا: "**منکر الحدیث**" (کتاب الضعفاء بتحقیقی: ۱۳۶ص ۴۸)

امام نسائی نے فرمایا: "**متروك الحدیث**" (کتاب الضعفاء للنسائی: ۲۶۸)

امام دارقطنی نے اسے ضعفاء ومتروکین میں ذکر کیا۔ (الضعفاء والمتروکون: ۲۷۰)

امام ابوحاتم الرازی نے اسے ضعیف الحدیث منکر الحدیث قرار دیا اور فرمایا:

اس نے ابوالزاہریہ (حدیر بن کریب) عن کثیر بن مرہ عن ابن عمر کی سند سے تیس (۳۰) منکر روایتیں بیان کی ہیں۔ (الجرح والتعدیل ۴/ ۲۸ ت ۱۱۴)

امام مسلم نے فرمایا: ''منکر الحدیث'' (کتاب الکنیٰ ص ۱۰۹ [۱۸۵] مخطوط مصور)

دیگر بہت سے محدثین نے بھی شدید جرح کی مثلاً حافظ ذہبی نے فرمایا:

''متروك متهم'' (المغنی فی الضعفاء ۱/ ۴۰۶ ت ۲۷۱۱)

حافظ ابن حجر العسقلانی نے فرمایا: ''متروك ورماه الدارقطني وغيره بالوضع''

(تقریب التہذیب: ۲۳۳۳)

اس جم غفیر کے مقابلے میں صدقہ بن خالد سے مروی ہے کہ ''وكان ثقة مرضيًّا'' اور وہ ثقہ پسندیدہ تھا۔ (الجرح والتعدیل ۴/ ۲۸)

اس قول کی سند میں ''صاحب لی من بنی تمیم'' نامعلوم ہے اور نامعلوم کی توثیق اصولِ حدیث کی رُو سے معتبر نہیں۔ (دیکھئے اختصار علوم الحدیث لابن کثیر مترجم اردو ص ۶۱۔ ۶۲ قسم: ۲۳)

حافظ نورالدین الہیثمی نے ابومہدی سعید بن سنان کے بارے میں فرمایا:

''ضعيف جدًا و نقل عن بعضهم توثيقه ولم يصح''

وہ سخت ضعیف ہے اور بعض سے اس کی توثیق منقول ہے اور (یہ) صحیح نہیں۔

(مجمع الزوائد ۵/ ۱۲۷)

اس روایت میں دوسری علت قادحہ یہ ہے کہ بقیہ بن ولید صدوق مدلس راوی ہیں اور یہ روایت عن سے ہے۔ مدلسین کے بارے میں اصولِ حدیث کا مشہور مسئلہ ہے کہ (صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے علاوہ دوسری کتابوں میں) مدلس کی عن والی روایت ضعیف ومردود ہوتی ہے۔

خلاصۃ التحقیق یہ ہے کہ روایت مسئولہ سخت ضعیف ومردود ہے، لہٰذا اس سے استدلال جائز نہیں۔ وما علينا إلا البلاغ

(۲/ فروری ۲۰۱۳ء)

دو سجدوں کے درمیان بائیں ہاتھ سے گھٹنا پکڑنا؟

سوال دو سجدوں کے درمیان بائیں ہاتھ سے گھٹنے کو مضبوطی سے پکڑ لیں یا رَان پر رکھیں؟ احناف ہاتھ ران پر رکھنے کا کہتے ہیں جبکہ ہمارا (یعنی اہل حدیث کا) عمل گھٹنے پکڑنے کا ہے، دلیل کی نشاندہی کر دیں۔ (شمس الرحمٰن۔کراچی)

الجواب اس بارے میں کوئی صریح صحیح حدیث میرے علم میں نہیں، تاہم دو سجدوں کے درمیان کچھ دیر بیٹھنا نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے۔ (صحیح بخاری: ۸۲۰، صحیح مسلم: ۴۷۱[۱۰۵۷])

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "**و بین السجدتین حتی یقول القائل: قدنسي**" اور آپ (ﷺ) دو سجدوں کے درمیان (بیٹھتے تھے) حتیٰ کہ کہنے والا کہتا تھا: آپ بھول گئے ہیں۔ (صحیح البخاری: ۸۲۱، صحیح مسلم: ۴۷۲[۱۰۴۰])

صحیح بخاری کی ایک بالکل صحیح اور محفوظ حدیث میں آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کو حکم دیا: ((**ثم اسجد حتی تطمئن ساجدًا، ثم ارفع حتی تطمئن جالسًا ثم اسجد حتی تطمئن ساجدًا، ثم ارفع حتی تطمئن جالسًا.**))

پھر اطمینان کے ساتھ سجدہ کر، پھر سجدے سے اٹھ کر اطمینان کے ساتھ بیٹھ جا، پھر اطمینان کے ساتھ سجدہ کر، پھر سجدے سے اٹھ کر اطمینان کے ساتھ بیٹھ جا۔ (ح ۶۲۵۱ عن ابی ھریرہ رضی اللہ عنہ)

ان احادیث سے دو سجدوں کے درمیان بیٹھنا ثابت ہے۔

تمام صحیح العقیدہ مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ دو سجدوں کے درمیان دونوں رانوں پر دونوں ہاتھ رکھنے چاہئیں اور اجماع شرعی حجت ہے۔

سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں آیا ہے کہ "**وسجد فوضع یدیه حذو أذنیه ثم جلس فافترس رجله الیسری ثم وضع یدیه الیسری علٰی رکبته الیسری ووضع ذراعه الیمنٰی علٰی فخذه الیمنی ثم أشار بسبابته ووضع الابهام علی الوسطی و قبض سائر أصابعه ثم سجد فکانت یداه**

حذاء أذنيه." اور آپ نے سجدہ کیا تو دونوں ہاتھ کانوں کے پاس رکھے پھر آپ بیٹھ گئے تو بایاں پاؤں بچھایا پھر بایاں ہاتھ اپنے بائیں گھٹنے پر رکھا اور دائیں ذراع (بازو) اپنے دائیں ران پر رکھا پھر شہادت کی انگلی سے اشارہ کیا ور درمیانی انگلی پر انگوٹھا رکھا اور ساری انگلیاں بند کر لیں۔ پھر سجدہ کیا تو آپ کے دونوں ہاتھ دونوں کانوں کے قریب (رکھے ہوئے) تھے۔ (مسند احمد ۴/ ۳۱۷ ح ۱۸۸۵۸)

اس روایت کی سند میں سفیان بن سعید الثوری راوی مدلس ہیں اور سند عن سے ہے، لہٰذا یہ روایت اصولِ حدیث کی رُو سے ضعیف ہے۔ جو لوگ اصولِ حدیث کے مخالف یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ ہر مدلس کی عن والی روایت صحیح ہوتی ہے اِلا یہ کہ کسی خاص روایت میں تدلیس ثابت ہو جائے یا سفیان ثوری مدلس کی عن والی روایت بھی صحیح ہوتی ہے تو ان لوگوں کے اصول کی رُو سے یہ روایت صحیح ہے، لہٰذا انھیں اس پر عمل کرنا چاہیے۔!

ہمارے نزدیک یہ روایت ضعیف و مردود ہی ہے اور اس باب میں اصل اعتماد اجماع پر ہے۔ رہا یہ مسئلہ کہ بائیں گھٹنے کو مضبوطی سے پکڑنا چاہیے یا ہاتھ رکھ دینے چاہئیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس بارے میں کوئی صریح دلیل مجھے معلوم نہیں، لہٰذا بہتر یہی ہے کہ جمہور صحیح العقیدہ مسلمانوں کے عمل کو مدنظر رکھتے ہوئے دونوں رانوں یا دونوں گھٹنوں پر اس حالت میں دونوں ہاتھ رکھ دیئے جائیں۔ واللہ اعلم (۲/ فروری ۲۰۱۳ء)

عقیدۂ استواء اور جہمیہ

امام یزید بن ہارون الواسطی رحمہ اللہ (م ۲۰۶ھ) نے فرمایا: جس نے یہ گمان کیا کہ رحمٰن عرش پر مستوی ہوا، بندوں کے دلوں میں جو ہے اس کے برخلاف تو یہ شخص جہمی ہے۔ (الحدیث حضرو: ۱۰۴ ص ۲۴۔ ۲۵، بحوالہ مسائل احمد روایۃ ابی داود ص ۲۶۸۔ ۲۶۹ وسندہ حسن)

اس کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے عرش پر رحمٰن کے مستوی ہونے کے بارے میں عام صحیح العقیدہ مسلمانوں کے خلاف کوئی عقیدہ رکھا تو یہ شخص جہمی (یعنی اہلِ سنت سے خارج) ہے۔

حافظ ندیم ظہیر

مقالہ ''حسن لغیرہ'' پر ایک نظر

(قسط نمبر ۱)

الحمد للّٰہ ربّ العالمین و الصّلوٰۃ و السّلام علیٰ رسولہ الأمین ،أما بعد:

حال ہی میں محترم محمد خبیب احمد صاحب کی نگارشات ''مقالات اثریہ'' کے نام سے منظر عام پر آئی ہیں۔ان میں ایک مقالہ حسن لغیرہ کے موضوع پر بھی ہے، جس میں انھوں نے ایک مختلف فیہ صورت ضعیف + ضعیف = ''حسن لغیرہ'' پر بھی اپنے قلم کو جنبش دی ہے، بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ انھوں نے سارے تانے بانے بُنے ہی اس صورت کے لئے ہیں تو غلط نہ ہوگا۔

ہمارے نزدیک ''حسن لغیرہ'' کی یہ صورت محل نظر ہے اور ہمارے اس منہج کی بنیاد متقدمین محدثین ہیں اور یہ واضح ہے کہ علم الحدیث کی اساس متقدمین ہی ہیں جیسا کہ استاذ الاساتذہ حافظ عبدالمنان نورپوری رحمہ اللہ نے فرمایا: ''صحیح بات وہی ہے جو متقدمین نے اختیار کی اور اصول بنائے، یعنی شروط صحت وضعف کی روشنی میں صحیح وضعیف کا فیصلہ کیا جائے۔'' (مراۃ البخاری ص ۵۳)

اور متقدمین میں حسن لغیرہ کی مذکورہ بالا صورت ناپید ہے، بلکہ ضعیف + ضعیف = حسن لغیرہ کے بارے میں فضیلۃ الشیخ مقبل بن ھادی رحمہ اللہ نے فرمایا:

'' و قد احتج الشیخ ناصر الدین الألباني ۔ حفظہ اللّٰہ، و لا أدري أھو مسبوق أم لا '' الشیخ ناصر الدین البانی (رحمہ اللہ) نے اس سے استدلال کیا ہے اور میں نہیں جانتا کہ وہ (اس میں) مسبوق ہیں یا نہیں۔

اس کی توضیح میں شیخ ابوعمر عبداللہ بن محمد بن عبداللہ الحمادی فرماتے ہیں:

'' و في حدود علمي أنہ لم یسبقہ أحد بھذا الاستدلال ...''

میرے علم کے مطابق اس (ضعیف + ضعیف) کے ساتھ استدلال کرنے میں ان سے پہلے کوئی نہیں۔ (السیر الحثیث شرح اختصار علوم الحدیث ص ٦٧)

امام جرح وتعدیل یحییٰ بن معین رحمہ اللہ (متوفی ۲۳۳ھ) نے بڑے خوبصورت اور دوٹوک انداز میں اس صورت کی فنی حیثیت کو واضح کیا ہے۔ آپ نے ایک حدیث کے بارے میں فرمایا: ''**لیتہ یصحح نفسہ، فکیف یصحح غیرہ ؟** ''یعنی کاش! وہ بذات خود صحیح ہوتی، چہ جائیکہ وہ کسی دوسرے کی تصحیح کا باعث بنے؟!

(سؤالات یزید بن الہیثم بن طہمان: ٥٨)

حسن لغیرہ کی مذکورہ صورت کے مردود ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس کا کوئی خاص کلیہ وقاعدہ نہیں، صرف رسا کشی ہے۔ اگر مخالف کی روایت کو ضعیف ثابت کرنا ہو تو (اپنے ہی اصولوں کو نظر انداز کرتے ہوئے) ہر ہر روایت کو جرح کی بھٹی سے گزارا جاتا ہے حتیٰ کہ حسن لغیرہ کی تعریف بھی بدل دی جاتی ہے اور اگر کسی روایت کو حسن لغیرہ بنانے کے درپے ہو جائیں تو ''ڈوبتے کو تنکے کا سہارا'' کے مترادف، اس تنکے کو ہی شہتیر سمجھ لیا جاتا ہے جس کی تفصیل آئندہ سطور میں دیکھی جا سکتی ہے۔ (ان شاء اللہ)

چند غلط فہمیاں اور ان کا ازالہ

غلط فہمی: محترم محمد خبیب احمد صاحب لکھتے ہیں: ''حسن لغیرہ کے بارے میں بعض لوگ انتہائی غیر محتاط رویہ اپناتے ہیں، ان کے نزدیک ضعیف + ضعیف حدیث کی مطلق طور پر کوئی حیثیت نہیں، خواہ اس حدیث کے ضعف کا احتمال بھی رفع ہو جائے۔'' (مقالات اثریہ ص ٥٨)

ازالہ: کیا ان بعض لوگوں میں متقدمین محدثین بھی شامل ہیں؟ اگر نہیں تو جو اُن کے پیروکار ہیں انھیں ان الفاظ کے ساتھ مطعون کیوں کیا جا رہا ہے؟ محترم! اگر ضعف کا احتمال رفع ہونے سے آپ کی مراد ضعیف روایتوں کا ہجوم ہے تو محدثین کے طرزِ عمل کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم بھی انھیں کوئی حیثیت نہیں دیتے لیکن اگر اس سے آپ کی مراد معتبر متابعت یا صحیح

شواہد وغیرہ ہیں تو آپ کی یہ عبارت افواہ یا الزام سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں، کیونکہ حسن لغیرہ کی یہ صورت تقریباً اجماعی ہے۔

غلط فہمی: محمد خبیب احمد صاحب لکھتے ہیں: ''بزعم خویش حدیث اور اس کے علوم کے بارے میں ان کی معلومات امام ترمذی، حافظ بیہقی، حافظ عراقی، حافظ ابن حجر رحمہم اللہ وغیرہم سے زیادہ ہیں۔'' (مقالات اثریہ ص ۵۸)

ازالہ: کتاب کے شروع ہی میں خبیب صاحب کا قلم پھسلا اور انھوں نے اپنے خیال کو دوسروں کا خیال قرار دے دیا۔

کیا علماء اور بعض محدثین کے ساتھ علمی اختلاف ہو جانا، اس بات کی علامت ہے کہ اختلاف کرنے والا اپنے آپ کو ان جلیل القدر علماء و محدثین سے علم و عمل میں بڑا ثابت کرنے کی کوشش کر رہا ہے؟ حاشا وکلا۔

اگر ایسا ہی ہے تو آپ نے اپنے مقالات میں یہ بڑھوتری ثابت کرنے کی بارہا دفعہ کوشش کی ہے۔ موصوف لکھتے ہیں: ''امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ کے موقف کی تردید۔''

(مقالات اثریہ ۶۵)

نیز لکھتے ہیں: ''حافظ بیہقی رحمہ اللہ کا اسے جید کہنا غیر جید ہے۔'' (مقالات ص ۵۲۴)

اسی طرح (مقالات ص ۴۷۹ کے) چھٹے مقالے میں آپ نے بترتیب حافظ زیلعی، حافظ ابن الملقن، حافظ ابن حجر، حافظ سیوطی، حافظ مناوی اور علامہ عزیزی رحمہم اللہ سے اختلاف کر رکھا ہے۔ اسے کیا نام دیا جائے؟؟!

غلط فہمی: محترم خبیب صاحب لکھتے ہیں: ''ذیل میں ایسے الفاظ کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے جو حسن لغیرہ کے مترادفات ہیں... له اصل'' (مقالات اثریہ ص ۶۴)

ازالہ: **له أصل** کا عام استعمال **لا أصل له** یا **ليس له أصل** کے مقابلے میں ہوتا ہے اور له اصل سے ہرگز یہ لازم نہیں آتا کہ وہ حدیث حسن لغیرہ ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ روایت موضوع، منکر یا بے سند نہیں لیکن اگر سند میں ضعف ہو تو وہ روایت بہر

صورت ضعیف ہی رہے گی۔ بعض اوقات یہ سند اور دلیل پر بھی بولا جاتا ہے، لیکن ہمارے بھائی نے عدم تتبع کی وجہ سے اسے مطلق حسن لغیرہ کے مترادف قرار دے دیا۔

☆ علامہ نووی رحمہ اللہ نے ایک روایت کے بارے میں فرمایا: ''**هذا الحديث منكر، لا يعرف له اصل**۔'' یہ حدیث منکر ہے اور اس کی اصل معروف نہیں۔

ان کے جواب میں حافظ ابن الملقن فرماتے ہیں: ''**بل له أصل، و لكنه ضعيف**۔'' بلکہ اس کی اصل ہے، لیکن وہ ضعیف ہے۔ (البدر المنیر ۳/۶۵۴)

☆ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ایک روایت کے بارے میں فرماتے ہیں:

''**ولا أصل له من طريق صحيح، ولا ضعيف**'' اس کی کوئی اصل نہیں، نہ صحیح سند ہے اور نہ کوئی ضعیف۔ (التلخیص الحبیر ۱/ ۲۴۸)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے جواب میں محققینِ کتاب: الشیخ عادل احمد عبدالموجود اور الشیخ علی محمد معوض لکھتے ہیں: ''**بل له أصل لكن ضعيف فأخرجه أبو نعيم بسنده إلى أبي الدرداء**'' بلکہ اس کی اصل ہے، لیکن ضعیف۔ ابو نعیم نے اسے اپنی سند سے ابو درداء رضی اللہ عنہ تک بیان کیا ہے۔

☆ حافظ ابن عبدالہادی فرماتے ہیں: ''**إن حديث ابن مسعود بمجوع طرقه له أصل، بل هو حديث حسن يحتج به**'' بلاشبہ حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی سندوں کے مجموعے کی وجہ سے اصل ہے، بلکہ وہ حدیث حسن اور لائق احتجاج ہے۔

(تنقیح التحقیق فی احادیث التعلیق ۴/ ۷۵)

اس عبارت سے واضح ہو جاتا ہے کہ **له أصل** اور **حسن** میں فرق ہے، لہٰذا اسے مترادف قرار دینا درست نہیں ہے۔

تنبیہ: حافظ ابن عبدالہادی کے قول مجموع طرق سے یہ ہرگز نہ سمجھا جائے کہ ضعیف + ضعیف سے حدیث کو حسن لغیرہ قرار دیا گیا ہے۔ حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا حسن لذاتہ شاہد منتقیٰ ابن جارود (۶۲۴) میں موجود ہے اور اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مجموع

طرق سے یہ لازم نہیں آتا کہ سارے طرق ضعیف ہی ہوں، جیسا کہ بعض ''حضرات'' کا زعم ہے۔

☆ قاضی ابوبکر ابن العربی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: '' **حديث أبي رافع المروي في صلاة التسبيح ضعيف ليس له أصل في الصحة ولا في الحسن** '' ابورافع رضی اللہ عنہ کی صلاۃ التسبیح کے بارے میں روایت ضعیف ہے، اس کی کوئی صحیح سند ہے اور نہ حسن۔
(البدر المنیر ۴/۲۴۲)

یہاں **له أصل** سے مراد سند ہے۔

☆ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: '' **والثاني :أن يكون له أصل في القرآن** ''
دوم: اس کی اصل قرآن مجید میں ہے۔ (فتح الباری ۱۰/ ۲۰۷)
اور یہاں **له أصل** سے مراد دلیل و ثبوت ہے۔

فائدہ: محترم خبیب صاحب '' **له أصل** '' کے تحت لکھتے ہیں: ''امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: '' **هذان الإسنادان و إن كانا ضعيفين فأحدهما يتأكد بالآخر ، و يدلك على أن له أصلاً من حديث جعفر** '' (دلائل النبوۃ ۷/ ۲۶۹)
'' یہ دونوں سندیں اگرچہ ضعیف ہیں مگر ایک دوسرے کو تقویت دیتی ہیں۔ اور آپ کی راہنمائی کرتی ہیں کہ اس حدیث کی جعفر سے اصل ہے۔'' (مقالات اثریہ ص ۶۵)

یہ دونوں سندیں سخت ضعیف ہیں۔ پہلی سند میں قاسم بن عبداللہ بن عمر العمری متروک ہے اور دوسری سند میں ابوالولید المخزومی متروک و متہم ہے۔

قاسم بن عبداللہ بن عمر العمری کے بارے میں امام احمد بن حنبل نے فرمایا:
'' **أف أف ، ليس بشيئ** '' (العلل و معرفۃ الرجال ۲/ ۸۷۴ فقرہ: ۳۱۳۶)

اور فرمایا: '' **هو عندي كان يكذب** '' میرے نزدیک وہ جھوٹ بولتا تھا۔
(حوالہ مذکورہ ج ۳ ص ۱۸۶، فقرہ: ۴۸۰۳)

اسے امام نسائی، ابوحاتم الرازی، دارقطنی اور حافظ ابن حجر وغیرہم نے متروک قرار دیا

ہے۔

ابوالولید خالد بن اسماعیل المخزومی کے بارے میں حافظ ابن عدی نے فرمایا:

" یضع الحدیث علٰی ثقات المسلمین " وہ مسلمانوں کے ثقہ راویوں کی طرف نسبت کر کے حدیثیں گھڑتا تھا۔ (الکامل ۳/ ۹۱۲، دوسرا نسخہ ۳/ ۴۷۵)

حافظ ابن حجر نے فرمایا: " الکذاب " (لسان المیزان ۲/ ۱۲۱، دوسرا نسخہ ۸/ ۵۵)

ان دونوں راویوں پر شدید جروح کا نظارہ کرنے کے لئے دیکھئے میزان الاعتدال اور لسان المیزان وغیرہما۔

ان دو کذاب و متروک راویوں کی دونوں روایتوں کو باہم ملا کر " أن لہ أصلاً " کے ذریعے سے حسن لغیرہ قرار دے کر خبیب صاحب نے ایک انوکھا کارنامہ سرانجام دیا ہے۔

نیز جن علماء نے ان کی اس "جرأت" کو "خراج تحسین" پیش کیا، ان کے لئے بھی لمحۂ فکریہ ہے۔

کیا ادارۂ علوم اثریہ کے نزدیک کذابین و متروکین کی روایتیں بھی لہ اصل کی وجہ سے حسن لغیرہ بن جاتی ہیں؟! سبحان اللہ

حسن لغیرہ کے مشابہ (مترادف) الفاظ اور ان کی حقیقت

قارئین کرام! حسن لغیرہ روایت کو کوئی سا بھی نام دے دیا جائے، اگر اس کی بنیاد ضعیف + ضعیف پر ہے تو وہ ضعیف ہی رہے گی، اِلا یہ کہ وہ معتبر شواہد یا معتبر متابعات کی وجہ سے صحیح ہو۔

شواہد یا متابعات کی بنا پر حسن

حسن لغیرہ میں ایک صورت صحیح شواہد یا معتبر متابعات کی بنا پر حسن ہونا ہے اور یہ مقبول و لائق حجت ہے۔ یہاں یہ واضح رہے کہ بعض لوگ شواہد کے ساتھ صحیح کے تقاضے پر بُرا مان

جاتے ہیں، جیسا کہ مولانا عبدالرؤف حفظہ اللہ نے لکھا ہے: ''زبیر صاحب کا یہ کہنا کہ ''اور اس کا کوئی شاہد بھی صحیح نہیں ہے۔'' یہ بات پڑھ کر ہمیں بہت تعجب ہوا کیونکہ حدیث کے کسی شاہد کیلئے اس کا صحیح ہونا شرط نہیں۔'' (احناف کی چند کتب پر ایک نظر ص ۶)

یعنی ضعیف و مردود شواہد و متابعات پیش کرتے جاؤ اور اپنی مرضی کی روایات کو صحیح کہتے جاؤ۔ سبحان اللہ

حالانکہ صحیح شاہد و شواہد کی بنیاد پر حدیث کو حجت قرار دینا علماء، محدثین و مفسرین کا طرز عمل ہے اور اس کے خلاف کچھ ثابت نہیں۔

☆ امام حاکم فرماتے ہیں: ''وله شاهد صحيح'' (المستدرک ۱/ ۵۵، ۱/ ۱۱۳، ۱/ ۱۱۸، ۱/ ۱۳۲)

امام حاکم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''المستدرک'' میں متعدد بار یہی انداز اختیار کیا ہے۔

☆ امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''وله شاهد صحيح''

(السنن الکبریٰ للبیہقی ۵/ ۴۷۰، ۶/ ۵۴۲)

☆ حافظ ضیاء الدین المقدسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''لهذا الحديث شاهد صحيح ...'' (المختارہ للمقدسی ۳/ ۱۴۸)

☆ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''وهذا الحديث له شاهد صحيح في صحيح مسلم من طريق أخرى'' (البدایہ والنہایہ ۲۰/ ۲۹)

☆ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''وله شاهد صحيح''

(فتح الباری ۷/ ۴۷، ۹/ ۱۷۳، ۶/ ۵۳۴)

نیز فرماتے ہیں: ''قلت: هذا مرسل و لكن له شاهد صحيح''

(اتحاف المہرۃ ۶/ ۳۱۶، ۱۶/ ۱۸۱)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں: ''وقال ابن أبي حاتم منكر، قلت: لكن لبعضه شاهد صحيح'' (فتح الباری ۱۳/ ۱۰۶)

☆ علامہ نووی رحمہ اللہ نے فرمایا: " **وله شاهد صحيح**" (خلاصۃ الاحکام للنووی ۲/۹۱۰)

☆ علامہ ابراہیم بن ابی بکر البقاعی رحمہ اللہ نے فرمایا: " **و لحديثه شاهد صحيح** "

(نظم الدرر فی تناسب الآیات والسوَر ۶/۳۶۲)

☆ علامہ بوصیری رحمہ اللہ بارہا مقامات پر فرماتے ہیں: " **له شاهد صحيح** "

(اتحاف الخیرۃ المہرۃ ۲/ ۲۱۹، ۶/ ۴۲۶، ۶/ ۴۴۴، ۷/ ۳۰۵)

☆ علامہ مغلطائی سنن ابن ماجہ کی شرح میں فرماتے ہیں: " **شاهد صحيح** "

(۱/ ۳۱۸)

☆ علامہ شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: " **و لكل منها شاهد صحيح أو حسن** "

(نیل الاوطار ۵/ ۳۷۵)

☆ مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ لکھتے ہیں: " حافظ ابن حجرؒ نے جن شواہد کی طرف اشارہ کیا ہے وہ " شواہد " نہیں ایک شاہد ہے اور وہ بھی ابوامامہ بن سہل بن حنیف (رضی اللہ عنہ) سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کے دن نہیں بلکہ دوسرے حضرت ماعزؓ پر نماز جنازہ پڑھی تھی۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ جن کا نام اسعد تھا صغار صحابہ میں شمار ہوتے تھے اور ان کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت مرسل قرار دی گئی ہے۔" (تنقیح الکلام ص ۳۰۹)

اس عبارت سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ محدث اثری حفظہ اللہ کے نزدیک بھی شاہد کا صحیح ہونا ضروری ہے۔

لہٰذا علماء و محدثین کی ان تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ صحیح شواہد یا شاہد کا تقاضا کوئی اچھنبے کی بات نہیں، اور اگر یہ غیر ضروری ہے تو محدثین کی صراحت چہ معنی دارد؟ بہر حال صحیح شواہد یا متابعت کی بنا پر حدیث حسن لغیرہ قرار پاتی ہے اور یہ صورت بالکل درست ہے۔

تنبیہ: صحیح بخاری (۶۸۲۰) کی حدیث کا شاہد مصنف عبد الرزاق (۷/ ۳۲۱ ح ۱۳۳۳۹، دوسرا نسخہ: ۱۳۴۰۵) میں موجود ہے اور اس کی سند ایوب السختیانی تک بالکل صحیح ہے، لہٰذا اس سلسلے میں حافظ ابن حجر کی فتح الباری (۱۲/ ۱۳۱) والی بات صحیح ہے۔

ایوب سختیانی ۶۸ھ میں پیدا ہوئے اور سیدنا ابوامامہ اسعد بن سہل رضی اللہ عنہ ۱۰۰ھ میں فوت ہوئے۔

صحابہ کی مراسیل بھی صحیح اور حجت ہیں، لہٰذا اس روایت کے ساتھ صحیح بخاری کی مشارالیہ حدیث بھی صحیح ہو جاتی ہے اور صحیح بخاری کی اس حدیث پر مولانا ارشاد الحق اثری صاحب وغیرہ کی جرح باطل و مردود ہے۔

صحیح بخاری و صحیح مسلم کی احادیث پر حملہ کرنے کے بجائے ان کتابوں کا دفاع کرنا اہلِ حدیث کا شعار ہے۔ والحمدللہ

[باقی آئندہ شمارے میں۔ ان شاء اللہ]

طائفۂ منصورہ اہلِ حدیث ہیں

امام یزید بن ہارون الواسطی (م ۲۰۶ھ) کے شاگرد ابوعبداللہ تمیم بن المنتصر بن تمیم الواسطی رحمہ اللہ نے فرمایا: جب یزید بن ہارون نے شعبہ سے عن معاویہ بن قرہ عن ابیہ (یعنی سیدنا قرہ بن ایاس بن ہلال المزنی رضی اللہ عنہ) والی حدیث بیان کی تو یزید (بن ہارون) نے فرمایا: ''**إن لم یکونوا أھل الحدیث والأثر فلا أدري من ھم؟**''

اگر یہ اہلِ حدیث اور اہلِ اثر نہیں تو مجھے معلوم نہیں کہ یہ کون لوگ ہیں؟

(کتاب الاحتجاج بالشافعی للخطیب ص ۴۵ وسندہ صحیح)

سیدنا قرہ بن ایاس رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لا یزال ناس من أمتي یقاتلون علی الحق ظاھرین حتی یأتیھم أمر اللّٰہ و ھم علیٰ ذلك .))

میری امت کے کچھ لوگ ہمیشہ حق پر مقاتلہ یعنی مزاحمت کرتے ہوئے غالب رہیں گے حتیٰ کہ اللہ کا فیصلہ (قیامت) آجائے اور وہ اسی حالت میں ہوں گے۔

(سنن الترمذی: ۲۱۹۲ وقال: ''حسن صحیح'' وسندہ صحیح وصححہ ابن حبان: ۲۳۱۳)

معلوم ہوا کہ طائفۂ منصورہ سے مراد اہلِ حدیث ہیں۔ والحمدللہ

ردِّ شیعہ — حافظ زبیر علی زئی

تجلیاتِ صداقت کی دو روایتوں کا جواب

الحمد للّٰہ ربّ العالمین والصلوٰۃ والسّلام علیٰ رسولہ الأمین، أما بعد:

اہل سنت کے نزدیک حدیث کی کتابیں دو طرح کی ہیں:

۱: جن کی تمام احادیث صحیح ہیں۔

اس طبقہ میں ہمارے علم کے مطابق صرف تین کتابیں مطبوع ہیں:

(۱) صحیفہ ہمام بن منبہ (۲) صحیح بخاری (۳) صحیح مسلم

صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی تمام مسند متصل مرفوع احادیث صحیح یا حسن یعنی حجت ہیں اور تعلیقات، مراسیل و منقطع روایات اور بے سند روایات اس عموم سے مستثنیٰ ہیں۔

۲: جن کی تمام احادیث صحیح نہیں، بلکہ ضعف و مردود روایات بھی موجود ہیں۔

مذکورہ بالا تین کتابوں کے علاوہ تمام کتبِ حدیث اسی قسم پر مشتمل ہیں۔

اہل سنت کو چاہیے کہ شیعہ کے خلاف اُن کی کتابوں سے جو بھی روایات پیش کریں، اُن کا صحیح یا حسن ہونا شیعہ اسماء الرجال اور شیعہ اصول الحدیث سے ثابت کریں۔

اور شیعہ کو بھی چاہیے کہ اہل سنت کے خلاف اُن کی کتابوں سے جو بھی روایات پیش کریں، اُن کا صحیح یا حسن ہونا اہل سنت اسماء الرجال اور اہل سنت اصول الحدیث سے ثابت کریں۔

۱) اس تمہید کے بعد عرض ہے کہ محمد حسین نجفی (شیعہ) نے ایک کتاب لکھی ہے: تجلیاتِ صداقت بجواب آفتابِ ہدایت۔ اس کتاب کے بالکل شروع میں نجفی صاحب نے لکھا ہے: " **وعن جابر بن عبد اللّٰہ قال کنا عند النبي صلّی اللّٰہ علیه و سلّم فاقبل علی فقال النبی صلّی اللّٰہ علیه و سلم والذی نفسی بیدہٖ ان ھٰذا و شیعته ھم الفائزون یوم القیامة و نزلت انّ الّذین آمنوا (الایة) فکان اصحاب النبی صلّی اللّٰہ علیه و سلّم اذا اقبل علی قالوا جاء خیر البریه**

جناب جابر بن عبداللہ انصاری بیان کرتے ہیں کہ ہم رسولِ خدا کی خدمت میں حاضر تھے۔ کہ حضرت علیؑ تشریف لائے آنحضرتؐ نے فرمایا مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ یہ اور ان کے شیعہ ہی قیامت کے دن رستگاری حاصل کرنے والے ہیں اس وقت یہ آیت نازل ہوئی انّ الذین امنوا الآیۃ ۔

اس کے بعد جب بھی کسی بزم میں حضرت علیؑ تشریف لاتے تو صحابہ کہتے خیر البریہ "بہترین خلائق" آ گئے"۔ (تفسیر درِّ منثور ج ۶ ص ۳۷۹ طبع مصر نور الابصار ص ۷۸ طبع مصر و تذکرۃ الخواص ص ۳۱ و ینابیع المودۃ ص ۲۱۴ و صواعقِ محرقہ ص ۱۵۹ و فرائد السمطین ج ا ص ۳۱ وغیرہا)" (تجلیاتِ صداقت ص ۳)

جواب: یہ ساری کتابیں (درمنثور، نور الابصار، تذکرۃ الخواص، ینابیع المودۃ، صواعق محرقہ اور فرائد السمطین وغیرہا) بے سند کتابیں ہیں لہٰذا سخت ناقابلِ اعتماد ہیں اور ان کا کوئی حوالہ بھی اہلِ سنت کے خلاف پیش کرنا جائز نہیں۔

درمنثور (۶/ ۳۷۹) میں یہ روایت بحوالہ ابن عساکر مذکور ہے اور ابن عساکر کی تاریخ دمشق (۴۵/ ۲۴۳) میں اس کی سند موجود ہے لیکن کئی وجہ سے موضوع ہے:

۱: اس کا راوی ابو العباس ابن عقدہ چور تھا اور گندا آدمی تھا۔

۲: ابن عقدہ کا استاد محمد بن احمد بن الحسن القطوانی مجہول ہے۔

۳: قطوانی کا استاد ابراہیم بن انس الانصاری مجہول ہے۔

۴: انصاری کا استاد ابراہیم بن جعفر بن عبداللہ بن محمد بن مسلمہ بھی مجہول ہے۔

خلاصۃ التحقیق یہ ہے کہ یہ روایت موضوع ہے، لہٰذا بغیر جرح کے اس کا بیان کرنا حلال نہیں۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے میری کتاب: تحقیقی مقالات ج ۴ ص ۳۰۵۔۳۰۷)

۲) محمد حسین نجفی نے لکھا ہے:

"عُمر صاحب عموماً جناب حذیفہ سے (جن کو آنحضرت نے بعض منافقین کے نام بتائے تھے اس لئے انکو صاحب السرِّ (رازدارِ رسول) کہا جاتا تھا۔ دریافت کیا کرتے تھے کہ کہیں

میرا نام تو منافقوں میں نہیں ہے؟ مگر وہ حکمِ نبوی کے مطابق بتانے سے گریز کرتے۔ بالآخر ایک دن خود ہی کہہ دیا۔ باللّٰہ یا حذیفة انا من المنافقین. اے حذیفہؓ! خدا کی قسم میں منافقوں میں سے ہوں'' (میزان الاعتدال ج ۱ ص ۳۶۵) صاحبان انصاف غور فرمائیں جو صاحب خود قسمیں کھا کھا اپنے منافق ہونے کا اعلان کریں (واقرار العقلاءٔ علی انفسھم جائز) تو ہم کیونکر ان کو مومن کامل تصور کر سکتے ہیں؟ یہ مدعی سست، گواہ چست والا معاملہ ہو جائے گا۔ جسے دانشمندانہ معاملہ نہیں قرار دیا جا سکتا۔'' (تجلیات صداقت ص ۴۵)

جواب: میزان الاعتدال میں یہ روایت بے سند ہے لیکن درج ذیل کتابوں میں یہ اعمش عن زید بن وہب کی سند سے مذکور ہے:

۱: مصنف ابن ابی شیبہ (۱۵/ ۱۰۷ح ۳۷۳۷۹)

۲: السنۃ للخلال (۱۲۸۸، ۱۶۳۰)

۳: کتاب المعرفۃ (التاریخ للامام یعقوب بن سفیان الفارسی ۲/ ۷۶۹)

۴: مسند مسدد (بحوالہ المطالب العالیہ لابن حجر: ۳۷۳۷ وقال: ''إسنادہ صحیح'' !!)

ان تمام کتابوں میں اس روایت میں اعمش کے زید بن وہب سے سماع کی تصریح موجود نہیں اور سلیمان بن مہران الاعمش ثقہ مدلس تھے۔ اگرچہ حافظ ابن حجر نے اس سند کو اسنادہ صحیح اور اعمش کو طبقات المدلسین کے طبقہ ثانیہ میں ذکر کیا ہے لیکن اُن کی یہ تحقیق جمہور محدثین اور اصولِ حدیث کے خلاف ہونے کی وجہ سے غلط ہے۔

۱: اعمش کے شاگرد امام شعبہ نے فرمایا: تین آدمیوں کی تدلیس کے لئے میں تمھارے لئے کافی ہوں: اعمش، ابواسحاق اور قتادہ۔ (مسألۃ التسمیہ لابن طاہر المقدسی ص ۴۷ وسندہ صحیح)

یعنی امام شعبہ کی روایت کے علاوہ اعمش کی معنعن روایت ضعیف ہوتی ہے۔

۲: حافظ ابن حبان نے اعمش کو ان مدلس راویوں میں ذکر کیا جن کی عن والی روایت حافظ ابن حبان کے نزدیک حجت نہیں ہوتی، اِلا یہ کہ وہ تصریح سماع کریں۔

(دیکھئے کتاب المجروحین ۱/ ۹۲ دوسرا نسخہ ۱/ ۸۶، صحیح ابن حبان ۱/ ۱۶۱ دوسرا نسخہ ۱/ ۹۰)

۳: اعمش ضعیف راویوں سے بھی تدلیس کرتے تھے۔ (مثلاً دیکھئے میزان الاعتدال ۲/۲۲۴)
اور جو راوی ضعیف راویوں سے تدلیس کرے تو اس کی عن والی روایت (بالاولیٰ) مردود ہوتی ہے۔ (نیز دیکھئے الموقظۃ [فی اصول الحدیث] للذہبی ص ۱۹۹)

۴: اعمش کا مدلس ہونا ناقابلِ تردید حقیقت ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا:
جس کے بارے میں ہمیں معلوم ہو گیا کہ اُس نے ایک دفعہ تدلیس کی ہے تو اُس نے اپنی پوشیدہ بات ہمارے سامنے ظاہر کر دی... پس ہم نے کہا: ہم کسی مدلس سے کوئی حدیث قبول نہیں کرتے حتیٰ کہ وہ حدثنی یا سمعت کہے۔ (الرسالۃ: ۱۰۳۳، ۱۰۳۵)

۵: خود حافظ ابن حجر نے اپنی دوسری کتاب النکت علیٰ ابن الصلاح (۲/ ۶۴۰) میں اعمش کو طبقہ ثالثہ میں ذکر کیا، نیز اعمش کی بیان کردہ ایک معنعن روایت کو معلول (ضعیف) قرار دیا اور فرمایا: چونکہ اعمش مدلس ہیں اور انھوں نے عطاء سے اپنے سماع کا ذکر نہیں کیا۔ (التلخیص الحبیر ۳/ ۱۹ ح ۱۱۸۱)

یعنی خود حافظ ابن حجر کے نزدیک اعمش کثرت سے تدلیس کرنے والوں میں سے ہیں۔
ثابت ہوا کہ اعمش کی یہ عن والی روایت ضعیف و مردود ہے، لہٰذا امام یعقوب بن سفیان الفارسی رحمہ اللہ کا زید بن وہب پر جرح کرنا غلط ہے، وہ تو اس روایت ہی سے بری ہیں۔

جو لوگ مروجہ طبقات المدلسین پر آنکھیں بند کر کے ایمان رکھتے ہیں وہ ذرا ہوش سے کام لیں اور دیکھیں کہ مدلسین کی معنعن روایات سے کیا کیا تباہیاں واقع ہو رہی ہیں۔

روایت کے ضعیف و مردود ہونے کے بعد عرض ہے کہ اس روایت میں یہ ہرگز نہیں لکھا ہوا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنے آپ کو منافق سمجھتے تھے بلکہ صرف یہ لکھا ہوا ہے:
فقال: ''أبا لله منهم أنا؟'' پس عمر (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: اللہ کی قسم! کیا میں بھی اُن میں سے ہوں؟ حذیفہ (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: ''لا'' نہیں۔ (دیکھئے المطالب العالیہ ۸/ ۲۴۰ بحوالہ مسدد)

اس ضعیف روایت سے بھی یہی ظاہر ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو منافق نہیں کہا تھا بلکہ تواضع کے طور پر سوال کیا تھا اور حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ''لا'' کہہ کر یہ فیصلہ کر دیا کہ

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ منافق نہیں بلکہ سچے مومن ہیں۔

اس بات کو چھپا کر محمد حسین نجفی نے اپنے اسلاف کا منہج وطرزِ عمل تازہ کر دیا ہے۔

ہمارے نزدیک تو یہ روایت ضعیف یعنی مردود ہے، لہٰذا اس پر استدلال کی بنیاد رکھنا بھی باطل اور مردود ہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان کی گواہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے بیان فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ نے عمر (رضی اللہ عنہ) کے دل وزبان پر حق جاری کر رکھا ہے۔

(صحیح ابن حبان، موارد الظمآن: ۲۱۸۴ وسندہ صحیح)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دین کی گواہی دی۔ (صحیح بخاری: ۳۶۹۱، صحیح مسلم: ۲۳۹۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو جنتی کہا۔

(سنن ترمذی: ۳۷۴۷ وسندہ صحیح)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا محل دیکھا تھا۔

(صحیح بخاری: ۵۲۲۶، ۷۰۲۴، صحیح مسلم: ۲۳۹۴)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کون سا شخص لوگوں میں سب سے بہتر ہے؟ انھوں نے فرمایا: ابوبکر۔ پھر پوچھا گیا: ان کے بعد کون ہے؟ انھوں نے فرمایا: عمر۔

(صحیح بخاری: ۳۶۷۱)

یہ روایت اہل سنت کی کتابوں میں متواتر ہے اور راقم الحروف نے خاص اس روایت پر ایک مفصل تحقیقی مضمون لکھا ہے۔ والحمدللہ

امام ابو جعفر محمد بن علی بن الحسین الباقر رحمہ اللہ نے فرمایا: جس شخص کو ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے فضائل معلوم نہیں، وہ شخص سنت سے جاہل ہے۔

(کتاب الشریعۃ للآجری ص ۱۸۵۱ ح ۱۸۰۳، وسندہ حسن لذاتہ)

امام ابو جعفر محمد بن علی الباقر رحمہ اللہ نے اپنی بیماری کی حالت میں فرمایا:

اے اللہ! میں ابوبکر اور عمر کو اپنا ولی مانتا ہوں اور ان دونوں سے محبت کرتا ہوں۔ اے اللہ!

اگر میرے دل میں اس کے خلاف کوئی بات ہو تو قیامت کے دن مجھے محمد ﷺ کی شفاعت نصیب نہ ہو۔ (تاریخ دمشق ۲۲۳/۵۷ وسندہ حسن لذاتہ)

امام جعفر بن محمد الصادق رحمہ اللہ نے فرمایا: اللہ اس شخص سے بری ہے جو ابوبکر اور عمر (رضی اللہ عنہما) سے بری ہے۔ (فضائل الصحابہ للامام احمد بن حنبل ۱/۱۶۰ ح ۱۴۳، وسندہ صحیح)

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمارے دلوں کو سیدنا ابوبکر، سیدنا عمر، سیدنا عثمان، سیدنا علی، تمام صحابۂ کرام، ازواج مطہرات اور تمام اہل بیت کی محبت سے بھر دے۔ آمین

(۱۹/ فروری ۲۰۱۳ء)

شیعہ کی دو روایتیں

۱: ابو عبداللہ (جعفر الصادق رحمہ اللہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: " **ضرب المسلم فخذہ عند المصيبة احباط لأجره** " مسلمان کا مصیبت کے وقت اپنی ران پر ہاتھ مارنا اس کے اجر (عمل) کو ضائع کر دیتا ہے۔

(فروع کافی ج ۳ ص ۲۲۴ ح ۴)

اس روایت کی سند شیعہ کے اصول پر صحیح ہے، نیز یہ روایت وسائل الشیعہ (۱/ ۶۶۰۔ ۶۶۱) اور بحار الانوار (۷۹/ ۸۹) میں بھی موجود ہے۔

(بحوالہ ماتم جی شرعی حیثیت [سندھی] از ڈاکٹر عبدالحفیظ سموں حفظہ اللہ ص ۴۸)

۲: سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کتاب "نہج البلاغۃ" میں لکھا ہوا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: " **و من ضرب يده على فخذه عند مصيبته حبط عمله** " اور جو شخص اپنی مصیبت کے وقت اپنی ران پر ہاتھ مارے، اس کا عمل اکارت (ضائع ہو) جاتا ہے۔ (ص ۴۹۳ فقرہ: ۱۴۴، دوسرا نسخہ ص ۸۴۹)

ان روایات کی روشنی میں شیعہ فیصلہ کریں کہ وہ کس راستے پر جا رہے ہیں؟

(۸/ اپریل ۲۰۱۳ء)

حافظ زبیر علی زئی

امام ابوبکر عبداللہ بن الزبیر بن عیسیٰ الحمیدی المکی رحمہ اللہ

اس مختصر اور جامع مضمون میں امام حمیدی کا تذکرہ پیش خدمت ہے:

نام ونسب: ابوبکر عبداللہ بن زبیر بن عیسیٰ بن عبیداللہ بن اسامہ بن عبداللہ بن حُمید القرشی الاسدی الحمیدی المکی رحمہ اللہ

ولادت: بمقام مکہ (تاریخ وسن ولادت نامعلوم)

شیوخ: ابراہیم بن سعد، ابو اسامہ حماد بن اسامہ، سفیان بن عیینہ، عبدالعزیز بن محمد الدراوردی، فضیل بن عیاض، محمد بن ادریس الشافعی اور وکیع بن الجراح وغیرہم رحمہم اللہ

تلامذہ: محمد بن اسماعیل البخاری، بشر بن موسیٰ الاسدی، ابوزرعہ الرازی، ابوحاتم الرازی، محمد بن یحییٰ الذہلی، یعقوب بن سفیان الفارسی اور یعقوب بن شیبہ وغیرہم۔ رحمہم اللہ

توثیق ومناقب: جمہور محدثین آپ کی توثیق وتعریف میں رطب اللسان تھے۔ مثلاً:

۱: ابوحاتم الرازی نے فرمایا: ''ثقة إمام'' (الجرح والتعدیل ۵/ ۵۷)

نیز فرمایا: ''أثبت الناس في ابن عيينة الحميدي وهو رئيس أصحاب ابن عيينة''
سفیان بن عیینہ سے روایت میں سب لوگوں سے زیادہ ثقہ حمیدی ہیں اور وہ سفیان بن عیینہ کے شاگردوں کے سردار ہیں۔ (ایضاً ص ۵۷)

۲: ابن سعد نے کہا: ''وهو صاحب سفيان بن عيينة و راويته... وكان ثقة كثير الحديث.'' وہ سفیان بن عیینہ کے شاگرد اور ان کے بڑے خاص راوی ہیں... وہ کثیر حدیث بیان کرنے والے ثقہ تھے۔ (طبقات ابن سعد ۵/ ۵۰۲)

۳: حافظ ابن حبان نے انھیں کتاب الثقات میں ذکر کیا اور فرمایا:

''وكان صاحب سنة و فضل و دين'' وہ صاحب سنت، فضیلت والے اور دیندار

تھے۔ (۳۴۱/۸)

۴: امام دارقطنی نے انھیں امام سفیان بن عیینہ کے حفاظ شاگردوں میں ذکر کیا۔

(کتاب العلل ۱۰/۲۵۳س۱۹۹۳)

۵: امام یعقوب بن سفیان الفارسی رحمہ اللہ نے فرمایا: "وما لقيت أنصح للإسلام و أهل الإسلام منه" میں نے اسلام اور اہل اسلام کے لئے ان سے زیادہ خیر خواہ کوئی نہیں دیکھا۔ (کتاب المعرفۃ والتاریخ ۳/۱۸۴)

۶: امام بخاری رحمہ اللہ (روی له في صحيحه)

۷: امام ابن خزیمہ (روی له في صحيحه: ۲۴۱۶)

۸: حاکم (قال في حديثه: "صحيح" [المستدرک ۱/۲۵۷ ح ۹۴۴] ووافقہ الذہبی)

۹: حافظ ذہبی

(صحح حديثه و قال: "الإمام الحافظ الفقيه شيخ الحرم" /النبلاء ۱۰/۶۱۶)

وقال: "وكان إماماً حجة" (العبر فی خبر من غبر ۱/۲۹۷)

۱۰: حافظ ابن حجر العسقلانی

(قال: "ثقة حافظ فقيه، أجل أصحاب ابن عيينة" /التقریب: ۳۳۲۰)

۱۱: ابن عبدالبر نے فرمایا: "وكان من الفقهاء المحدثين النبلاء الثقات والحفاظ المأمونين" وہ فقہاء، محدثین، شرفاء، ثقات اور ثقہ ثبت حفاظِ حدیث میں سے تھے۔ (الانتقاء ص۱۶۳)

۱۲: ابن عبدالہادی نے کہا: "الإمام ... الفقيه الحافظ، من كبار الأئمة."

(طبقات علماء الحدیث ۲/۵۷ ت ۳۹۴)

۱۳: ابن ناصرالدین دمشقی نے فرمایا: "وكان من كبار الأئمة و أحد علماء الأمة، شديد النصح للإسلام و العباد." آپ بڑے ائمہ اور علمائے امت میں سے تھے۔ اسلام اور اہل اسلام کے بہت زیادہ خیر خواہ تھے۔ (التبیان لبدیعۃ البیان ۲/۶۱۸ ت ۴۰۶)

نیموی حنفی نے لکھا ہے: "الحمیدي ثقة حافظ إمام" (آثار السنن: ۳۶ حاشیہ)

اس جم غفیر اور جمہور کے مقابلے میں امام یحییٰ بن معین کی ہلکی سی جرح اور عدمِ علمیت ہرگز حجت نہیں۔ نیز بطور فائدہ عرض ہے کہ امام ابن عبدالحکم کی امام حمیدی پر جرح ابوجعفر السکری (نامعلوم) کی وجہ سے ثابت نہیں۔

تصانیف: مسند الحمیدی اور اصول السنۃ وغیرہما۔

ملفوظات:

۱: امام حمیدی نے فرمایا: "**والله! لأن أغزو هؤلاء الذين يردون حديث رسول الله ﷺ أحب إليّ من أن أغزو عدتهم من الأتراك.**"

اللہ کی قسم! میں ان لوگوں سے جہاد کروں جو رسول اللہ ﷺ کی حدیث رد کرتے ہیں، میرے نزدیک اتنی تعداد میں (کافر) ترکوں سے جہاد کرنے سے زیادہ بہتر ہے۔

(ذم الکلام للہروی ۲/ ۱۵۸ ح ۲۳۶ وسندہ صحیح، دوسرا نسخہ: ۲۲۸)

۲: امام حمیدی نے فرمایا:

☆ سنت (ہمارے نزدیک) یہ ہے کہ آدمی تقدیر پر ایمان لائے، خیر وشر اور میٹھا کڑوا (سب) اللہ کی طرف سے ہے اور یہ جان لینا چاہئے کہ اسے جو مصیبت پہنچی ہے وہ ٹلنے والی نہیں تھی اور جو مصیبت ٹل گئی ہے وہ پہنچنے والی نہیں تھی اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی (مقرر) تقدیر سے ہے۔

☆ ایمان قول وعمل کا نام ہے، زیادہ ہوتا ہے اور کم ہوتا ہے۔ کوئی قول عمل کے بغیر فائدہ نہیں دیتا اور کوئی عمل وقول نیت کے بغیر فائدہ نہیں دیتا۔

☆ محمد ﷺ کے تمام صحابہ کے لئے رحمت کی دعا کرنی چاہئے۔

☆ پس جس نے انھیں (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو) سب وشتم کیا یا (ان کی) تنقیص کی، یا ان میں سے کسی ایک کے بارے میں ایسا کیا تو وہ شخص سنت (کے راستے) پر نہیں اور مالِ غنیمت میں اس کا کوئی حق نہیں۔

☆ قرآن اللہ کا کلام ہے۔ میں نے سفیان (بن عیینہ رحمہ اللہ) کو فرماتے ہوئے سنا: قرآن اللہ کا کلام ہے اور جس نے (اسے) مخلوق کہا وہ بدعتی ہے، ہم نے ایسا قول (یعنی مخلوق کہنا) کسی سے بھی نہیں سنا۔

☆ میں نے سفیان (بن عیینہ رحمہ اللہ) کو فرماتے ہوئے سنا: ایمان قول وعمل ہے، زیادہ اور کم ہوتا ہے۔

☆ اور موت کے بعد (اللہ تعالیٰ کو مومنین کا) دیکھنا (دیدار) برحق ہے۔

☆ ہم خوارج کی طرح یہ نہیں کہتے کہ جس نے کبیرہ گناہ کیا اُس نے کفر کیا اور کسی گناہ میں بھی تکفیر نہیں کی جاتی، سوائے پانچ چیزوں کے، جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے: لا الٰہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ ﷺ کی گواہی دینا، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، رمضان کے روزے رکھنا اور بیت اللہ کا حج کرنا۔ الخ

(اصول السنۃ للحمیدی، آخر مسند الحمیدی بتحقیقی قلمی ص ۷۸۸۔۷۸۹)

وفات: ربیع الاول ۲۱۹ھ بمقام مکہ مکرمہ (۲۷/ جنوری ۲۰۱۳ء)

اعلانات

مسند الحمیدی کے سلسلے میں دو اہم اعلانات درج ذیل ہیں:

۱: حبیب الرحمٰن اعظمی دیوبندی کی طرف سے شائع شدہ مسند الحمیدی (نسخہ دیوبندیہ) میں بہت زیادہ غلطیاں اور تحریفات ہیں، جن میں سے چالیس سے زیادہ حوالے ایک مضمون کی صورت میں اشاعۃ الحدیث حضرو کے آئندہ شمارے (۱۰۷) میں پیشِ خدمت ہیں۔ ان شاء اللہ

۲: مسند حمیدی (نسخہ ظاہریہ) کا راقم الحروف نے اردو ترجمہ کر دیا ہے اور مختصر و جامع تحقیق جدید کے ساتھ بعض فوائد بھی لکھ دیئے ہیں۔

یہ کتاب عنقریب مکتبہ اسلامیہ سے شائع ہو رہی ہے۔ ان شاء اللہ (۸/ اپریل ۲۰۱۳ء)

حافظ زبیر علی زئی

ضعیف روایات اور بریلویہ....

(ظفر القادری بکھروی بریلوی کے جواب میں)

(قسط:۱)

الحمدللّٰہ ربّ العالمین والصلوٰۃ والسّلام علیٰ رسولہ الأمین،أما بعد:

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو اپنے سینے سے لگایا اور فرمایا: اے اللہ! اسے الکتاب کا علم سکھا دے۔

اور ایک روایت میں ہے: اسے حکمت سکھا دے۔ (صحیح بخاری:۷۵، ۳۷۵۶)

اور فرمایا: اے اللہ! اسے (ابن عباس رضی اللہ عنہ کو) دین میں فقہ (سمجھ، سوجھ بوجھ) سکھا دے اور (قرآن کی) تفسیر سکھا دے۔ (المستدرک ۳/۵۳۴ ح ۶۲۸۰ وسندہ حسن وصححہ الحاکم ووافقہ الذھبی، وھو فی مسند الامام احمد ۱/ ۲۶۶، ۳۱۴، ۳۲۸، ۳۳۵)

۱: ایک دفعہ ایک تابعی بُشَیر بن کعب العدوی رحمہ اللہ نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے سامنے روایتیں بیان کرنا شروع کر دیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ تو سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے نہ اُن کی روایتیں سنیں اور نہ ان کی طرف دیکھا۔

(دیکھئے مقدمہ صحیح مسلم، ترقیم دارالسلام:۲۱)

چونکہ یہ مرسل روایات تھیں، لہٰذا ثابت ہوا کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ مرسل یعنی ضعیف روایات کو حجت نہیں سمجھتے تھے اور حافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ نے بھی اس واقعے سے یہی سمجھا ہے۔ (دیکھئے النکت علیٰ ابن الصلاح ۲/۵۵۳ نوع ۹، المرسل)

۲: سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف القرشی الزہری رحمہ اللہ (ثقہ تابعی صغیر) نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ سے صرف ثقہ راوی ہی حدیث بیان کریں۔

(مقدمہ صحیح مسلم، ترقیم دارالسلام:۳۱)

معلوم ہوا کہ امام سعد بن ابراہیم رحمہ اللہ غیر ثقہ اور ضعیف راویوں کی روایات حجت نہیں سمجھتے تھے۔

۳: امام یحییٰ بن سعید القطان رحمہ اللہ نے فرمایا:

حدیث نہ دیکھو بلکہ سند دیکھو، پھر اگر سند صحیح ہو تو (ٹھیک ہے) اگر سند صحیح نہ ہو تو دھوکے میں نہ آنا۔ (الجامع للخطیب ۲/۱۰۲ ح ۱۳۰۱، وسندہ صحیح، دوسرا نسخہ ۲/۱۴۰ ح ۱۳۳۶)

۴: امام ابو عبداللہ محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع الشافعی المطلبی الہاشمی المکی المصری رحمہ اللہ (ناصر الحدیث وفقیہ الملۃ) نے (امام احمد بن حنبل وغیرہ سے) فرمایا:

جب تمھارے نزدیک رسول اللہ ﷺ سے حدیث صحیح ثابت ہو جائے تو مجھے بتا دو تاکہ میں اسے اپنا مذہب قرار دوں، جس علاقے میں بھی (یہ حدیث) ہو۔

(حلیۃ الاولیاء ۹/۱۰۶، وسندہ صحیح)

نیز فرمایا: تم حدیث اور رجال کو مجھ سے زیادہ جانتے ہو، لہٰذا اگر صحیح حدیث ہو تو مجھے بتا دینا، چاہے کوفے کی حدیث ہو یا بصرے کی، یا شام کی ہو تاکہ میں اس پر عمل کروں بشرطیکہ حدیث صحیح ہو۔ (مناقب الشافعی للامام ابن ابی حاتم ص ۷۰ وسندہ صحیح)

نیز فرمایا: ''**وکذلك نحن لا نقبل خبر من جھلناہ، وکذلك لا نقبل خبر من لم نعرفہ بالصدق وعمل الخیر.**'' اور اسی طرح ہم جسے مجہول سمجھتے ہیں اُس کی (بیان کردہ) حدیث نہیں مانتے اور اسی طرح جسے ہم سچائی اور نیک اعمال کے ساتھ نہیں جانتے تو اس کی (بیان کردہ) حدیث بھی قبول نہیں کرتے۔

(اختلاف الحدیث آخر کتاب الام للشافعی طبع بیت الافکار الدولیہ ص ۱۷۱۷، باب اول)

اور فرمایا: پس ہم نے کہا: ہم کسی مدلس سے کوئی حدیث قبول نہیں کرتے حتی کہ وہ حدثنی یا سمعت کہے۔ (کتاب الرسالہ ص ۵۳، وبتحقیق احمد شاکر: ۱۰۳۵، تحقیقی مقالات ۴/۱۵۱)

ان حوالوں سے ثابت ہوا کہ امام شافعی رحمہ اللہ ضعیف روایات کو حجت نہیں سمجھتے تھے۔

۵: امام لیث بن سعد المصری رحمہ اللہ نے ابن لہیعہ کی بیان کردہ ایک روایت پر عمل

کرنے سے انکار کردیا۔ (دیکھئے الکامل لابن عدی ۱۴۶۳/۴، تحقیقی مقالات ۲۷۳/۲)

۶: امام مسلم بن الحجاج النیسابوری رحمہ اللہ نے فرمایا:

''باقی رہا یہ امر کہ راویوں کے عیوب بیان کرنا کیا غیبت اور مسلمان کی پردہ دری ہے جب اس سلسلہ میں علماء حدیث سے فتویٰ طلب کیا گیا تو انھوں نے کہا کہ راویوں کے احوال بیان کرنا ضروری ہیں کیونکہ دین کے اکثر مسائل جو حلال وحرام، امر ونہی اور رغبت اور خوف سے متعلق ہیں وہ احادیث پر موقوف ہیں۔ اب اگر کسی حدیث کا کوئی راوی خود صادق اور امانت دار نہ ہو اور وہ حدیث کو روایت کرے اور بعد والے اس راوی کی عدم ثقاہت کے باوجود اس کی روایت کو بیان کردیں اور اصل راوی کے احوال پر کوئی تنقید اور تبصرہ نہ کریں، تو یہ عوام مسلمین کے ساتھ خیانت ہے کیونکہ ان احادیث میں سے بہت سی احادیث موضوع اور من گھڑت ہوں گی اور عوام کی اکثریت راویوں کے احوال سے ناواقفیت کی بناء پر ان احادیث کے مطابق عمل کرے گی اور اس کا گناہ اس شخص پر ہوگا جس نے حدیث بیان کردی اور اس کے راوی کے احوال پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ جب کہ احادیث صحیحہ جن کو معتبر اور ثقہ راویوں نے بیان کیا ہے اس قدر کثرت سے موجود ہیں کہ ان باطل روایات کی مطلقاً ضرورت نہیں ہے، اس تحقیق کے بعد ہمارا خیال یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی کتاب میں مجہول، غیر ثقہ، غیر معتبر راویوں کی احادیث بیان نہیں کرے گا خصوصاً جب کہ وہ سند حدیث کی کیفیت پر مطلع ہو۔ سوا اس شخص کے جو لوگوں کے دماغوں میں یہ بات بٹھانا چاہتا ہو کہ وہ احادیث کا ایک بہت بڑا ذخیرہ پیش کرسکتا ہے اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے وہ باطل اور موضوع۔ اسانید کے ساتھ بھی احادیث پیش کردے گا تاکہ جب لوگوں کے سامنے احادیث کا ایک ضخیم مجموعہ پیش ہو تو لوگ اس کی وسعت علمی ژرف بینی پر داد دیں لیکن جو شخص ایسے طریقہ کو اختیار کرے گا اہل علم کے نزدیک اس کی کوئی وقعت نہیں ہوگی اور وہ شخص عالم کہلانے کے بجائے جاہل کہلانے کا زیادہ مستحق ہوگا۔''

(مقدمہ صحیح مسلم مع شرح غلام رسول سعیدی بریلوی ج ۱ ص ۲۳۴۔ ۲۳۵)

امام مسلم نے مزید فرمایا: ''اور جمہور اہل علم کے نزدیک حدیث مرسل مقبول نہیں ہوتی۔''

(مقدمہ صحیح مسلم، ترجمہ سعیدی ج ۱ ص ۲۳۷)

اس ترجمے میں ''اور جمہور اہل علم'' سے پہلے ''ہمارے اصل قول میں'' کا ترجمہ رہ گیا ہے۔

۷: حافظ ابن حبان نے فرمایا: گویا جو ضعیف روایات بیان کرے اور جس روایت کا وجود ہی نہ ہو وہ دونوں حکم میں برابر ہیں۔ (کتاب المجروحین ۱/ ۳۲۸، تحقیقی مقالات ۴/ ۳۰۴)

۸: پانچویں صدی کے محدث امام بیہقی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''**وأصل مذهبنا أنا لانقبل خبر المجهولين حتى يعرفوا بالشرائط التي توجب قبول خبرهم.**''

اور ہمارا اصل مذہب یہ ہے کہ ہم مجہول راویوں کی روایتیں قبول نہیں کرتے، حتی کہ وہ ان شرائط کے ساتھ معلوم ہو جائیں جو ان کی روایات کو قبول کرنا واجب قرار دیتی ہیں۔

(کتاب القراءت خلف الامام ص ۱۵۲ تحت ح ۳۴۱)

اور فرمایا:

''**وإذا كنا لانقبل رواية المجهولين فكيف نقبل رواية المجروحين ؟ لا نقبل من الحديث إلا ما رواه من ثبتت عدالته وعرف بالصدق رواته**''

اور جب ہم مجہول راویوں کی روایتیں نہیں مانتے تو مجروح راویوں کی روایتیں کس طرح مان سکتے ہیں؟ ہم صرف وہی حدیث قبول کرتے ہیں جس کے راوی کی عدالت ثابت ہو اور جس کے راوی سچائی کے ساتھ معروف ہوں۔ (کتاب القراءت خلف الامام ص ۱۵۱ تحت ح ۳۴۲)

۹: خطیب بغدادی نے فرمایا:

اور دوسروں نے کہا: مدلس کی روایت مقبول نہیں ہوتی اِلا یہ وہ وہم کے احتمال کے بغیر صریح طور پر تصریح بالسماع کے ساتھ بیان کرے، اگر وہ ایسا کرے تو اس کی روایت مقبول ہے اور ہمارے نزدیک یہی بات صحیح ہے۔ (الکفایہ فی علم الروایہ ص ۳۶۱، تحقیقی مقالات ۴/ ۱۵۳)

۱۰: ابن الصلاح الشہرزوری الشافعی نے کہا: اور حکم (فیصلہ) یہ ہے کہ مدلس کی روایت تصریح سماع کے بغیر قبول نہ کی جائے، اسے شافعی رضی اللہ عنہ نے اس شخص کے بارے میں جاری

فرمایا ہے جس نے ہماری معلومات کے مطابق صرف ایک دفعہ تدلیس کی ہے۔ واللہ اعلم

(مقدمۃ ابن الصلاح ص ۹۹، دوسرا نسخہ ص ۱۶۱، تحقیقی مقالات ۴/۱۵۴)

ان کے علاوہ اور بھی بہت سے حوالے ہیں اور میرے علم کے مطابق کسی ایک مستند امام سے ضعیف یعنی مردود روایت کے حجت ہونے کی صراحت ثابت نہیں۔

حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ (جو بقولِ ملا علی قاری حنفی: اولیائے اُمت میں سے تھے) نے فرمایا:

مشرکینِ نصاری سے مشابہ ان گمراہ لوگوں کا اعتماد ضعیف، موضوع روایات یا ان لوگوں کے حوالوں پر ہوتا ہے جن کا قول حجت نہیں، یہ حوالے یا تو ان لوگوں کی طرف جھوٹے منسوب ہوتے ہیں یا پھر ان لوگوں کی بات ہی غلط ہوتی ہے، کیونکہ یہ غیر مصدقہ حوالہ اس شخص سے پیش کیا گیا ہے جو معصوم نہیں۔ اگر یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی کسی ثابت حدیث کو پیش کریں تو (یہودیوں کی طرح) تحریف کرتے ہیں، نصاریٰ کی طرح محکم کو چھوڑ کر متشابہ لے لیتے ہیں۔ (الرد علی البکری ص ۳۵۲، تلخیص کتاب الاستغاثۃ ۲/ ۶۸۰ شاملہ)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی یہ عبارت عام بریلویہ و دیوبندیہ پر مکمل فٹ ہے۔

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سے ایک ضعیف روایت میں آیا ہے کہ ابو طالب نے بوقتِ وفات راز داری سے انھیں (اپنے) اسلام کی خبر دی۔

اس پر بحث کرتے ہوئے احمد رضا خان بریلوی نے لکھا ہے: ''اوّل یہ روایت ضعیف و مردود ہے، اس کی سند میں ایک راوی مبہم موجود ہے۔'' (فتاویٰ رضویہ ج ۲۹ ص ۷۱۹)

اس کے کئی صفحات بعد احمد رضا خان نے لکھا ہے:

''اور ضعیف حدیث ثابت کو رفع نہیں کرسکتی۔ ضعیف حدیثیں جہاں قبول کی جاتی ہیں وہاں ان کو قبول کرنے میں راز یہ ہے کہ وہاں ضعیف حدیثیں کسی غیر ثابت چیز کو ثابت نہیں کرتیں جیسا کہ ہم اپنے رسالہ ''الھاد الکاف فی حکم الضعاف'' میں اس کی تحقیق کر دی ہے جس پر زیادتی نہیں کی جاسکتی جس نے اس مسئلہ میں پیدا ہونے والے تمام وہموں کا ازالہ کر دیا ہے۔ چنانچہ جب وہ ضعیف حدیثیں غیر ثابت چیز کو ثابت نہیں کرسکتی ہیں تو ثابت

چیز کو رفع کیسے کریں گی۔ یہ محض غلط اور حق سے دُوری ہے، یہ خوب واضح ہے۔ بحمداللہ واضح ہوگیا کہ روایت مذکورہ ضعیف اور بیہودہ ہے...'' (فتاویٰ رضویہ ج۲۹ ص۲۶۔۲۷)

ان حوالوں کو مدنظر رکھ کر ابواسامہ ظفر القادری بکھروی بریلوی کی درج ذیل عبارت پڑھ لیں، بریلوی مذکور نے لکھا ہے: **''ضعیف حدیث کا مطلقاً انکار آج کے دور کا ایک بڑا فتنہ ہے اور منکرین حدیث کا نیا روپ بھی۔ دورِ اوّل میں اس فتنے کا وجود نہ ہونے کے برابر تھا۔ لیکن آج اس فتنے کو ہوا دینے والے جگہ جگہ موجود ہیں۔''**

بکھروی بریلوی نے مزید لکھا ہے: **''ان متاثرین میں ماہنامہ ''الحدیث'' کے مدیر زبیر علی زئی صاحب نے اس فتنہ کو اور ہوا دی۔''** الخ (مجلّہ چاریار مصطفیٰ، راولپنڈی اسلام آباد، جولائی ۲۰۱۲ء ص۳۱)

بکھروی صاحب کا یہ مضمون البرہان واہ کینٹ (جولائی تا ستمبر ۲۰۱۲ء) میں بھی چھپا ہے۔

تعجب ہے کہ آج کل بہت سے منکرینِ حدیث مثلاً چکڑالوی، پرویزی، اصلاحی اور فراہی وغیرہ مکاتبِ فکر کے لوگ کھلم کھلا صحیحین کی احادیث کا انکار کرتے ہیں، بعض اپنے آپ کو سنی وعلمائے حق سمجھتے ہوئے صحیح بخاری وصحیح مسلم کی احادیث صحیحہ کو مختلف چھتریوں تلے ضعیف، شاذ اور منکر قرار دیتے ہیں۔ جبکہ بریلویہ و دیوبندیہ کے بعض لوگ ضعیف و مردود روایات کو حجت منوانے پر تلے ہوئے ہیں۔ سبحان اللہ

اگر ضعیف روایت بھی حجت ہے تو اصولِ حدیث میں اسے مردود کی قسم میں کیوں ذکر کیا گیا ہے؟! (دیکھئے تیسیر مصطلح الحدیث ص۵۳، نیز دیکھئے شرح صحیح مسلم للسعیدی ۱/۱۱۲)

ضعیف و مردود روایات کا دفاع کرنے والے لوگوں کی ''خدمت'' میں (شواہد و متابعات سے قطع نظر کرتے ہوئے) تیس (۳۰) بلکہ تیس سے زیادہ ایسی روایات پیش کی جاتی ہیں، جن پر نہ تو یہ لوگ عمل کرتے ہیں اور نہ انھیں حجت تسلیم کرتے ہیں، بلکہ انھیں ضعیف کہتے ہیں:

۱) مشہور ثقہ تابعی امام طاوس بن کیسان رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ **''کان رسول اللہ ﷺ یضع یدہ الیمنیٰ علیٰ یدہ الیسریٰ، ثم یشدّبھما علیٰ صدرہ وھو فی**

الصلوٰۃ. " رسول اللہ ﷺ اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر رکھتے، پھر آپ ان دونوں کو مضبوطی کے ساتھ اپنے سینے پر رکھتے اور آپ نماز میں ہوتے تھے۔

(کتاب المراسیل لابی داود ص ۱۳۹ ح ۳۴، سلیمان بن موسی وثقہ الجمھور)

اس روایت کی سند امام طاوس تک حسن لذاتہ ہے اور باقی روایت مرسل ہے، جو کہ بریلویہ ودیوبندیہ کے نزدیک حجت ہے، بلکہ وہ بعض روایتوں کو "وإسناده مرسل قوي" کہہ دیتے ہیں۔ (مثلاً دیکھئے آثار السنن: ۱۵۸) لیکن پھر بھی وہ اس روایت کو نہیں مانتے۔

نیموی نے اس حدیث کے بارے میں لکھا ہے: "وإسناده ضعيف" (آثار السنن: ۳۲۷)

تراب الحق قادری بریلوی نے لکھا ہے: "واضح ہوا کہ جب سینہ پر ہاتھ رکھنے والی تمام احادیث ضعیف ہیں تو ان کو دلیل نہیں بنایا جا سکتا۔" (رسولِ خدا ﷺ کی نماز ص ۱۹۱)

۲) سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "**صليت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم ووضع يده اليمنىٰ علىٰ يده اليسرىٰ علىٰ صدره.**"

میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی اور آپ نے اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر سینے پر رکھا تھا۔ (صحیح ابن خزیمہ ج ۱ ص ۲۴۳ ح ۴۷۹)

اس روایت میں سفیان ثوری ثقہ مدلس ہیں، لیکن آلِ بریلی وآلِ دیوبند ترکِ رفع یدین کے مسئلے میں ان کی معنعن روایت سے استدلال کرتے ہیں۔

تنبیہ: اس سند کے راوی مومل بن اسماعیل جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ وصدوق ہیں اور اُن پر امام بخاری کی طرف منسوب جرح: منکر الحدیث، امام بخاری سے ثابت نہیں۔

(دیکھئے میری کتاب: تحقیقی مقالات ۱/ ۴۱۷۔۴۲۷)

اس حدیث کے بارے میں نیموی نے لکھا ہے: "**وفي إسناده نظر وزيادة علىٰ صدره غير محفوظة**" (آثار السنن: ۳۲۵)

۳) سیدنا عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ ایک طویل حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک جہری نماز کے بعد اپنے مقتدیوں سے فرمایا:

((لاتفعلوا إلا بأم القرآن فإنه لاصلوة لمن لم يقرأبها.))

سورۂ فاتحہ کے علاوہ کچھ بھی نہ پڑھو کیونکہ جو سورۂ فاتحہ نہیں پڑھتا اُس کی نماز نہیں ہوتی۔

یہ حدیث بیان کرنے کے بعد امام بیہقی نے فرمایا: "وهذا إسناد صحيح ورواته ثقات." اور یہ سند صحیح ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔ (کتاب القراءت خلف الامام ص ۶۴ ح ۱۲۱)

لیکن نیموی تقلیدی نے اس حدیث کے بارے میں لکھا ہے: "وفيه مستور، قال النيموي: إن حديث عبادة بن الصامت في التباس القرآءة قد روي بوجوه كلها ضعيفة." (آثار السنن: ۳۵۴)

۴) سیدنا عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لاصلوٰة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب خلف الإمام.))

جو شخص امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔

یہ حدیث بیان کرنے کے بعد امام بیہقی نے فرمایا: "وهذاإسناد صحيح"

(کتاب القراءت خلف الامام ص ۷۰ ح ۱۳۵)

اس روایت کی سند میں امام ابن شہاب زہری رحمہ اللہ ہیں لیکن یہ روایت صحیح شواہد کے ساتھ صحیح یعنی صحیح لغیرہ ہے۔

۵) صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین راتیں نمازِ تراویح باجماعت پڑھائی۔ سیدنا جابر بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان میں نماز پڑھائی، آپ نے آٹھ رکعتیں اور وتر پڑھے۔ الخ

(صحیح ابن خزیمہ ۲/ ۱۳۸ ح ۱۰۷۰، صحیح ابن حبان ۴/ ۶۲، ۶۴ ح ۲۴۰۱، ۲۴۰۶)

اس حدیث پر جرح کرتے ہوئے نیموی تقلیدی نے لکھا ہے:

"وفي إسناده لين" اور اس کی سند میں کمزوری ہے۔ (آثار السنن: ۷۷۳)

۶) ایک روایت میں آیا ہے کہ سیدنا قیس بن قہد رضی اللہ عنہ نے صبح کی (فرض) نماز کے بعد (طلوعِ آفتاب سے پہلے) دو رکعتیں (سنتیں) پڑھیں پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا

توانھوں نے بتادیا کہ میری دو رکعتیں رہ گئی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ خاموش ہو گئے۔

(سنن ابی داود: ۱۲۶۷، صحیح ابن خزیمہ: ۱۱۱۶، صحیح ابن حبان: ۶۲۴ وصححہ الحاکم ۱/۲۷۴۔۲۷۵ ح ۱۰۱۷)

اس حدیث کو نیموی نے بحوالہ سنن ابی داود، سنن ترمذی، سنن ابن ماجہ، مسند احمد اور مستدرک الحاکم وغیرہ نقل کر کے لکھا ہے: ''**وإسناده ضعيف**'' (آثار السنن: ۷۳۲)

۷) سنن ابی داود (۱۲۲۰) وغیرہ کی ایک حدیث میں آیا ہے کہ نبی ﷺ غزوۂ تبوک میں سورج ڈھلنے کے بعد ظہر اور عصر کی دونوں نمازیں اکٹھی پڑھ لیتے (یعنی جمع تقدیم فرماتے تھے) اور اس طرح بعض اوقات مغرب وعشاء کی دونوں نمازوں میں جمع تقدیم فرماتے تھے۔ اس حدیث کے بارے میں امام ترمذی نے فرمایا: ''حسن غريب'' (سنن ترمذی: ۵۵۳)

لیکن نیموی نے لکھا ہے: ''**وهو حديث ضعيف جدًا**'' (آثار السنن: ۸۵۴)

احمد رضا خان بریلوی نے اس حدیث کو ''مگر ایک روایت غریبۃ شاذۃ'' لکھا ہے۔!

(فتاویٰ رضویہ ج ۵ ص ۲۰۴)

یہی مسئلہ ایک دوسری حدیث میں بھی آیا ہے۔ (سنن ابی داود: ۱۲۰۸)

اس کے بارے میں نیموی نے لکھا ہے: ''**وهو حديث ضعيف**'' (آثار السنن: ۸۵۳)

تنبیہ: آثار السنن کے دو نسخے زیادہ مشہور ہیں اور ان کی بعض روایتوں میں ایک نمبر کا فرق ہے، لہٰذا حوالہ چیک کرتے ہوئے پہلی یا بعد والی روایت بھی دیکھ لیں۔

۸) سنن دارقطنی (۱/۱۲۴ ح ۴۴۱) میں شریک القاضی عن محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کی سند سے بیان شدہ ایک روایت میں آیا ہے کہ نبی ﷺ نے منی کے بارے میں فرمایا:

یہ بے شک بلغم اور تھوک کی طرح ہے اور تمھارے لئے صرف یہی کافی ہے کہ اُسے کپڑے کے کسی ٹکڑے یا گھاس سے پونچھ لو۔

یہ روایت ذکر کرنے کے بعد نیموی نے لکھا ہے: ''**وإسناده ضعيف ورفعه وهم.**''

(آثار السنن: ۳۲)

۹) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ

وفات تک نمازِ فجر میں قنوت پڑھتے رہے۔

اس روایت کو نیموی نے بحوالہ عبدالرزاق، احمد، دارقطنی، طحاوی اور بیہقی نقل کر کے لکھا ہے:

"وفي إسناده مقال" اور اس کی سند میں کلام ہے۔ (آثار السنن: ۶۳۷)

یہ روایت اگر صحیح ہے تو بریلویہ اس پر عمل کیوں نہیں کرتے؟ اور اگر ضعیف ہے تو ان کا ضعیف روایات کو حجت سمجھنا باطل و مردود ہے۔

۱۰) سفر میں جمع بین الصلوٰتین کی ایک حدیث فقرہ نمبر ۷ کے تحت گزر چکی ہے، جسے بریلویہ نے ضعیف قرار دیا ہے اور سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں تھے، جب آپ کی منزل میں ہی سورج ڈھل جاتا، تو سوار ہونے سے پہلے ظہر اور عصر کو اکٹھا ادا فرماتے" الخ (آثار السنن مترجم ص ۵۱۴ بحوالہ مسند احمد ۱/ ۳۶۷)

یہ جمع تقدیم کے دلائل میں سے ایک دلیل ہے اور اس روایت کے بارے میں نیموی نے لکھا ہے: "وإسناده ضعيف" اور اس کی سند ضعیف ہے۔ (آثار السنن: ۸۵۵)

۱۱) سنن ترمذی (۲۸۴۔۲۸۵) وغیرہ کی ایک روایت میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو سجدوں کے درمیان (جلسے میں) درج ذیل دعا پڑھتے تھے:

"اللهم اغفرلي وارحمني واجبرني واهدني وارزقني."

اے میرے اللہ! مجھے معاف کردے، مجھ پر رحم فرما، میرا نقصان پورا کردے، میری راہنمائی فرما اور مجھے رزق عطا کردے۔ (صححہ الحاکم ۱/ ۲۶۲، ۲۷۱، ووافقہ الذہبی وحسنہ النووی فی الاذکار)

اس کے بارے میں نیموی نے لکھا ہے: "وهو حديث ضعيف" اور یہ حدیث ضعیف ہے۔ (آثار السنن: ۴۴۶)

یاد رہے کہ یہ دعا معمولی اختلاف کے ساتھ مطلقاً نماز میں ثابت ہے۔ (دیکھئے صحیح مسلم: ۲۶۹۷)

نیز امام مکحول تابعی رحمہ اللہ درج ذیل دعا سجدوں کے درمیان پڑھتے تھے۔

"اللهم اغفرلي وارحمني واسترني وأجرني وارفعني."

(المعجم لابن المقرئ: ۱۳۵۷، وسندہ صحیح)

۱۲) جمہور کے نزدیک ثقہ وصدوق راوی عبدالحمید بن جعفر نے صحیح سند کے ساتھ سیدنا ابو حمید الساعدی رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث بیان کی، جس میں دس صحابہ کرام کی موجودگی اور تصدیق کے ساتھ (چار رکعتوں والی نماز میں) درج ذیل مقامات پر رفع یدین کرنے کا ثبوت ہے:

ا: تکبیر تحریمہ

۲: رکوع سے پہلے

۳: رکوع کے بعد

۴: دو رکعتیں پڑھنے کے بعد کھڑے ہونے پر

(سنن ابی داود: ۷۳۰ وصححہ الترمذی وابن خزیمہ وابن حبان وغیرہم)

احمد یار خان نعیمی بدایونی بریلوی رضا خانی نے اس حدیث کے بارے میں لکھا ہے:

''یہ حدیث اسناد کے لحاظ سے قابل عمل نہیں کیونکہ...''

اور مزید لکھا ہے: ''ان میں سے عبدالحمید ابن جعفر سخت مجروح وضعیف ہیں۔''

(''جاء الحق'' حصہ دوم ص ۶۳ طبع قدیم)

غلام مصطفیٰ نوری بریلوی رضا خانی نے اس حدیث کو مضطرب قرار دیا اور عبدالحمید بن جعفر کے بارے میں لکھا: ''جو کہ بدعتی اور تقدیر کا منکر ہے اور سخت صعیف ہے۔''

(ترکِ رفع یدین ص ۳۲۱)

یاد رہے کہ عبدالحمید بن جعفر کو امام یحییٰ بن معین، امام احمد بن حنبل، ابن سعد، یعقوب بن سفیان الفارسی، امام علی بن المدینی، ابن شاہین، ابن حبان اور ابن القطان الفاسی وغیرہم نے ثقہ کہا اور حافظ ذہبی نے فرمایا: ''**الإمام المحدّث الثقة**''

(دیکھئے نور العینین ص ۲۵۰-۲۵۱)

لیکن بریلویہ کے نزدیک یہ راوی پھر بھی سخت مجروح اور ضعیف ہیں۔ سبحان اللہ!

۱۳) سیدنا عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے ابوبکر الصدیق (رضی اللہ عنہ) کے پیچھے نماز پڑھی ہے۔ وہ نماز شروع کرتے وقت، رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین

کرتے تھے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ۲/۷۳ وقال: رواتہ ثقات)

یہ حدیث صحیح ہے جیسا کہ نور العینین میں دلائل صحیحہ کے ساتھ ثابت کر دیا گیا ہے لیکن غلام مصطفیٰ نوری بریلوی نے لکھا ہے:

''اس عبارت سے واضح ہو گیا کہ اس کی سند بھی ضعیف مجروح ہے نا قابل احتجاج۔''

(ترکِ رفع یدین ص ۳۹۴ طبع جون ۲۰۰۴ء)

۱۴) ایک روایت میں آیا ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے شروع نماز میں رفع یدین کیا اور رکوع سے پہلے رفع یدین کیا اور قسم کھا کر فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی نماز تھی حتی کہ آپ دنیا سے تشریف لے گئے۔ (المعجم لابن الاعرابی ج ا ص ۲۲۶ ح ۱۴۲، دوسرا نسخہ ج ا ص ۱۳۱ ح ۱۴۴)

اس روایت کی سند میں محمد بن عصمہ الرملی مجہول الحال راوی ہے اور باقی سند حسن ہے۔

اسی روایت کی دوسری سند میں رکوع کے بعد بھی رفع یدین کرنے کا ذکر ہے۔

(مسند الشامیین للطبرانی ۲/ ۳۵ ح ۸۶۸)

اس سند میں حصین بن وھب مجہول الحال راوی ہے اور باقی سند حسن ہے۔

اس روایت کو نہ بریلویہ حجت سمجھتے ہیں اور نہ دیوبندیہ، بلکہ اس روایت سے رفع یدین کے بارے میں ان لوگوں کا مذہب فنا و برباد ہو جاتا ہے۔

۱۵) رفع یدین کے بارے میں ایک اور روایت پیشِ خدمت ہے، جسے امام ضیاء المقدسی رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے:

''حدثنا عبدالواسع بن محمد بن الحسن بن بنت أبي بكر الإسماعيلي: أنبأ الرئيس أبوعبدالله محمد بن العباس بن أحمد العصمي: أنبأ أحمد بن محمد بن عمر القرشي ليلة الوداع: ثنا تميم بن محمد: ثنا إبراهيم بن الحسن العلاف: ثنا سلام بن أبي الصهباء عن سليمان التيمي عن أنس بن مالك رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من صلّى لم يرفع يديه إذا افتتح الصلوٰة وإذا ركع وإذا رفع رأسه لعنته أعضاؤه.''

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص نماز پڑھے (اور) نماز شروع کرتے وقت، رکوع کے وقت اور رکوع سے سر اٹھا کر رفع یدین نہ کرے تو اس کے اعضاء (ہاتھ پاؤں) اس پر لعنت بھیجتے ہیں۔

(المنتقیٰ من مسموعات مرو ص ۲۵۸ ح ۴۶۲ بحوالہ مکتبہ شاملہ)

اس سند کے راویوں کا مختصر اور جامع تذکرہ درج ذیل ہے:

۱: عبدالواسع بن محمد بن الحسن الجرجانی الفارسی التاجر

عبدالغافر بن سماعیل الفارسی نے انھیں ثقہ کہا۔

(الحلقۃ الاولیٰ من تاریخ نیسابور، المنتخب من السیاق ص ۵۴۵ ت ۱۱۸۹)

آپ ذوالقعدہ ۴۲۳ھ کو فوت ہوئے۔

آپ سے یہ حدیث قاضی ابو محمد عبداللہ بن یوسف الجرجانی رحمہ اللہ (م ۴۸۹ھ) نے سنی ہے اور وہ ثقہ صاحبِ حدیث تھے۔ (دیکھئے تاریخ الاسلام للذہبی ۳۲/۳۰۰)

عبداللہ بن یوسف الجرجانی سے سالم بن عبداللہ بن عمر العمری الہروی نے یہ حدیث بیان کی ہے۔ (دیکھئے مسموعات مرو ص ۲۵۷ ج ۴۶۰/۱)

سالم بن عبداللہ الہروی العدوی العمری کے بارے میں ابن السمعانی نے فرمایا:

"کان شیخًا صالحًا عفیفًا من بیت الحدیث" (تاریخ الاسلام للذھبی ۳۷/۳۶۰)

سالم سے یہ حدیث ابو القاسم زنگی محمود بن ابی الوفاء الخیاط نے بیان کی جو کہ شیخ عفیف (نیک، پاک دامن) تھے۔ (مسموعات مرو ص ۲۷۱)

حافظ ذہبی نے فرمایا: "شیخ صالح کان یخیّط" توفی ۶۰۹ھ (تاریخ الاسلام ۴۳/۳۳۰)

وہ ضیاء المقدسی کے استاذ تھے، لہٰذا عبدالواسع تک یہ سند متصل ہے۔

۲: ابو عبداللہ محمد بن العباس بن احمد الرئیس العصمی، ابن ابی ذھل رحمہ اللہ

وہ ثقہ ثبت تھے۔ (تاریخ بغداد ۱۲۰/۳ ت ۱۱۳۸، سیر اعلام النبلاء ۱۶/۳۸۰۔۳۸۲)

۳: ابوبکر احمد بن محمد بن عمر القرشی (لعلہ المنکدری)

اگران سے مراد المنکدری ہیں تو مختلف فیہ راوی ہیں، محمد بن ابی سعید السمرقندی نے ان کی تعریف کی۔ (لسان المیزان ۱/ ۲۸۷۔۲۸۸)

اور حافظ ذہبی نے فرمایا: "الإمام الحافظ البارع" (النبلاء ۱۴/ ۵۳۲)

لیکن لسان المیزان کے مطالعے سے ظاہر یہی ہے کہ یہ ضعیف راوی ہیں۔ واللہ اعلم

۴: تمیم بن محمد (لعلہ الطّوسی)

طوسی کے بارے میں ذہبی نے فرمایا: "الحافظ الإمام الجوال الثقة" (النبلاء ۱۳/ ۴۹۶)

۵: ابراہیم بن الحسن العلاف

امام ابوزرعہ الرازی نے فرمایا: "وكان شيخًا ثقة" (الجرح والتعدیل ۲/ ۹۲ ت ۲۴۲)

۶: سلام بن ابی الصہباء

اسے یحییٰ، ابن حبان، بخاری اور عقیلی نے ضعیف قرار دیا اور احمد و ابن عدی نے توثیق کی۔ ابوحاتم الرازی نے فرمایا: "هو شيخ"

لسان المیزان (۳/ ۵۸۔۵۹) سے یہی ظاہر ہے کہ یہ ضعیف راوی ہے۔

۷: سلیمان التیمی ثقہ مدلس تابعی ہیں اور سند عن سے ہے، لہٰذا ضعیف ہے۔

لیکن یاد رہے کہ جو لوگ حافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ کی طبقاتی تقسیم پر مکمل یقین رکھتے ہیں تو عرض ہے کہ حافظ صاحب نے انھیں طبقۂ ثانیہ میں ذکر کیا ہے۔ (۲/ ۵۴)

لہٰذا حنفیہ، بریلویہ اور دیوبندیہ تینوں کی طرف سے یہاں تدلیس کا اعتراض اُن کے اصولوں کی روشنی میں غلط ہے۔

۸: سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ

اس سے ثابت ہوا کہ یہ روایت صرف ضعیف ہے، موضوع یا متروک نہیں، لہٰذا جو لوگ ضعیف روایات کو حجت سمجھتے ہیں انھیں چاہئے کہ وہ اس حدیث کو مدنظر رکھ کر رفع یدین کے بارے میں اپنے عمل کا جائزہ لیں۔

۱۶) عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی ثابت شدہ سند سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ

عید میں پہلی تکبیر میں سات اور دوسری میں پانچ یعنی کُل بارہ تکبیریں کہیں۔
اسے مسند احمد، سنن ابن ماجہ، سنن دارقطنی اور السنن الکبریٰ للبیہقی کے حوالے سے نقل کر کے نیموی نے لکھا ہے: "وإسناده ليس بالقوي" اور اس کی سند قوی نہیں۔ (آثار السنن: ۹۸۹)

۱۷) نمازِ عیدین میں بارہ تکبیرات والی ایک روایت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے، جسے ابوداود اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے لیکن نیموی صاحب نے ابن لہیعہ راوی کو نشانہ بناتے ہوئے لکھا ہے: "وفي اسناده ابن لهيعة وفيه كلام مشهور."

(آثار السنن: ۹۹۱)

۱۸) ام شریک الانصاریہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نمازِ جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کا حکم دیا تھا۔ (سنن ابن ماجہ: ۱۴۹۶، المعجم الکبیر للطبرانی ۲۵/ ۹۷ ح ۲۵۲)

بریلویہ و دیوبندیہ اگر اس حدیث کو صحیح سمجھتے ہیں تو عمل کیوں نہیں کرتے اور اگر ضعیف سمجھتے ہیں تو بسم اللہ کریں اور اپنی اس ضعیف حدیث کو حجت سمجھتے ہوئے اس پر علانیہ عمل شروع کریں۔!

۱۹) سنن دارقطنی (۱/ ۳۳۵) اور مستدرک الحاکم (۱/ ۲۲۳) کی ایک روایت میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب سورۂ فاتحہ کی قراءت سے فارغ ہوتے تو اونچی آواز سے آمین کہتے تھے۔
اس روایت کی سند زہری تک حسن لذاتہ ہے اور بعد والی سند دیوبندیہ و بریلویہ کی شرط پر صحیح ہے لیکن نیموی نے لکھا ہے: "وفي إسناده لين" اور اس کی سند میں کمزوری ہے۔

(آثار السنن: ۳۷۸)

۲۰) ام حصین رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی، پھر جب آپ نے **ولا الضالین** پڑھا تو آمین کہا۔ انھوں نے عورتوں کی صف میں اس آمین کو سن لیا تھا۔ (المعجم الکبیر للطبرانی ۲۵/ ۵۸ ح ۳۸۳ و اسحاق بن راہویہ فی مسندہ)

اس روایت کے بارے میں نیموی نے لکھا ہے:

"وفيه إسماعيل بن مسلم المكي وهو ضعيف." (آثار السنن: ۳۸۰)

عجیب انصاف ہے کہ یہ لوگ خود تو بہت سی روایتوں کو ضعیف کہہ کر رد کر دیتے ہیں اور اگر کوئی صحیح العقیدہ سنی یعنی اہلِ حدیث عالم اصولِ حدیث، اسماء الرجال اور جمہور محدثین کی گواہیوں کو مدنظر رکھ کر کسی روایت کو ضعیف قرار دے تو انھیں مرچیں لگ جاتی ہیں اور ''منکرِ حدیث'' کا فتویٰ لگانا شروع کر دیتے ہیں۔ سبحان اللہ!

۲۱) ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''**فأما زلة عالم فإن اهتدى فلا تقلدوه دينكم.**'' رہی عالم کی غلطی تو اگر وہ ہدایت پر بھی ہو تو دین میں اس کی تقلید نہ کرو۔ (المعجم الاوسط للطبرانی ۹/ ۳۲۶۔۳۲۷ ح ۸۷۰۹۔۸۷۱۰)

یہ سند مرسل ہے۔ (دیکھئے میری کتاب: دین میں تقلید کا مسئلہ ص ۳۳۔۳۴)

اور اس مفہوم کے الفاظ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے موقوفاً ثابت ہیں۔ (ایضاً ص ۳۵۔۳۷)

کیا ظفر القادری بکھروی صاحب اور فرقۂ بریلویہ و دیوبندیہ اصول و فروع ہر مسئلے میں درج بالا ضعیف مرفوع روایت پر عمل کرنے کے لئے تیار ہیں؟!

۲۲) ابو صالح باذام (ایک ضعیف راوی) نے ایک روایت بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے زائرات القبور (قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں)، ان پر مسجدیں بنانے والوں اور چراغ جلانے والوں پر لعنت بھیجی ہے۔ (سنن ابی داود: ۳۲۳۶)

امام ابو داود نے اس روایت پر ''سکوت'' فرمایا ہے، جسے بکھروی صاحب حافظ ابن حجر کی چھتری تلے قابل احتجاج قرار دیتے ہیں۔ (چار یار مصطفیٰ، اگست ۲۰۱۲ء ص ۳۴)

امام ترمذی نے اس روایت کے بارے میں فرمایا: ''**حديث حسن**'' (سنن ترمذی: ۳۲۰)

جبکہ احمد رضا خان بریلوی نے لکھا ہے: ''مگر اس کی سند ضعیف ہے اگرچہ ترمذی نے اسکی تحسین کی اس میں ابو صالح باذام ہے...'' (فتاویٰ افریقیہ ص ۸۱)

۲۳) عمر بن ذر المرہبی نے صحیح سند کے ساتھ ایک روایت بیان کی کہ عائشہ (رضی اللہ عنہا) سفر میں فرض نماز چار رکعتیں پڑھتی تھیں۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ۳/ ۱۴۲)

اس کے بارے میں غلام رسول سعیدی بریلوی نے لکھا ہے:

''اس حدیث کی سند پر بحث کرتے ہوئے علامہ ابن الترکمانی فرماتے ہیں اس حدیث کی سند میں ایک راوی عمر بن ذرالمرہبی ہے۔علامہ ابن الجوزی اس کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہ مرجئی اور ضعیف تھا۔'' (شرح صحیح مسلم ج۲ص ۳۷۹)

عرض ہے کہ عمر بن ذر بن عبداللہ الهمد انی المرہبی الکوفی صحیح بخاری کے راوی اور امام یحییٰ بن معین ، امام نسائی ، امام دارقطنی ، امام عجلی ، امام یعقوب بن سفیان الفارسی ، حافظ ابن حبان ، حافظ ابن شاہین اور جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ وصدوق تھے لہٰذا جمہور کے مقابلے میں ابن الجوزی وغیرہ کی جرح کی حیثیت ہی کیا ہے؟!

نیز صحیح بخاری (۱۰۹۰) اور صحیح مسلم (۶۸۵) میں عمر بن ذر کی بیان کردہ روایت کا صحیح شاہد بھی ہے۔دیگر شواہد کے لئے دیکھئے السنن الکبریٰ للبیہقی (۳/۱۴۲۔۱۴۳)

۲۴) امام نسائی کی سنن صغریٰ (المجتبیٰ :۱۴۵۷) میں ایک روایت ہے کہ عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے رسول اللہ ﷺ سے کہا: آپ (سفر میں) قصر کرتے تھے اور میں پوری نماز پڑھتی تھی ۔الخ تو آپ نے فرمایا: اے عائشہ! تُو نے اچھا کیا ہے۔

اس حدیث کو امام دارقطنی (۲/ ۱۸۸ ح ۲۲۷۱۔۲۲۷۰) نے اسنادہ حسن کہا، لیکن غلام رسول سعیدی نے لکھا ہے:

''ایک اور سند سے یہ حدیث علاء بن زہیر عن عبدالرحمٰن عن عائشہ مروی ہے۔علاء کے بارے میں ابن حبان فرماتے ہیں کہ وہ غیر ثابت احادیث ثقہ راویوں کی طرف منسوب کردیتا تھا نیز ابن الترکمانی فرماتے ہیں یہ حدیث مضطرب الاسناد ہے،اس لئے اس سے استدلال صحیح نہیں ہے۔'' (شرح صحیح مسلم ج۲ص ۳۷۹)

علاء بن زہیر کو یحییٰ بن معین ،عبدالخالق اشبیلی اور حافظ ابن حجر نے ثقہ قرار دیا۔

یحییٰ بن معین ، دارقطنی اور عبدالحق الشبیلی وغیرہم جمہور کے مقابلے میں اکیلے حافظ ابن حبان کی بات مرجوح ہے اور خود ابن حبان نے بھی علاء بن زہیر کو اپنی کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے۔ (۷/۲۶۵)

حافظ ذہبی نے ایک اصول بیان کیا ہے کہ جس راوی کو ابن حبان ثقہ قرار دیں اور جرح بھی کریں تو ابن حبان کے دونوں اقوال ساقط ہو جاتے ہیں۔

(دیکھئے میزان الاعتدال ۲/۵۵۲ ت ۴۸۲۹ عبدالرحمٰن بن ثابت بن الصامت)

۲۵) ثقہ راوی سعید بن محمد بن ثواب رحمہ اللہ کی سند سے ایک صحیح حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سفر میں قصر بھی کرتے تھے اور پوری نماز بھی پڑھتے تھے۔ الخ

(سنن دارقطنی ۲/۱۸۹ ح ۲۲۷۵ وقال: وھذا إسناد صحیح)

غلام رسول سعیدی نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کی ایک صحیح حدیث کا غلط مفہوم پیش کر کے لکھا ہے:

''صحیح بخاری کی اس صحیح حدیث سے ثابت ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ ہمیشہ سفر میں قصر کر کے پڑھا کرتے تھے لہٰذا اس کے مقابلہ میں دارقطنی اور بیہقی کی ضعیف السند روایات سے سفر میں پوری نماز پڑھنے پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔'' (شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۸۰)

عرض ہے کہ یہ حدیث بقول امام دارقطنی صحیح سند سے ہے، لہٰذا سعیدی کا درج ذیل بیان مردود ہے:

''اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک سفر شرعی میں قصر کرنا واجب ہے اور اس کا ترک گناہ ہے''

(شرح صحیح مسلم ۲/ ۳۷۸ بحوالہ ابن ہمام/ فتح القدیر ۲/ ۵)

امام ابوحنیفہ تو اس بے سند حوالے سے بری ہیں کیونکہ ابن ہمام کی پیدائش اُن کی وفات کے صدیوں بعد ہوئی ہے اور بے سند بات کی علمی میدان میں حیثیت ہی کیا ہے؟!

اگر یہ مذکورہ بالا روایت بقولِ سعیدی ضعیف السند ہے تو بریلویہ کو چاہئے کہ وہ اس پر عمل کریں، ورنہ ضعیف روایات کے دفاع میں اُن کا بکھروی مذہب فنا ہو جائے گا۔ ان شاء اللہ

۲۶) ایک حدیث میں آیا ہے کہ پھر اس کے بعد آپ ﷺ صبح کی نماز اندھیرے میں ہی پڑھتے رہے حتی کہ وفات پا گئے اور دوبارہ یہ نماز روشنی کر کے نہیں پڑھی۔

(سنن ابی داود: ۳۹۴، صحیح ابن حبان: ۱۴۹۲)

اسے ابن خزیمہ، حاکم اور خطابی نے صحیح قرار دیا ہے، نیز مستدرک الحاکم (۱/۱۹۰ ح ۶۸۲

وصححه الحاكم ووافقه الذهبي) اور السنن الکبریٰ للبیہقی (۱/ ۴۳۵ ح ۲۰۴۶) میں اس کا حسن شاہد بھی ہے لیکن نیموی نے لکھا ہے: ''وفي إسناده مقال و الزيادة غير محفوظة.''
اور اس کی سند میں کلام ہے اور اس میں بیان شدہ اضافہ غیر محفوظ ہے۔ (آثار السنن: ۲۱۳)

۲۷) ایک حدیث میں آیا ہے کہ ''**کان النبي ﷺ یفتتح صلاته ببسم الله الرحمن الرحیم .**'' نبی ﷺ اپنی نماز بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع کرتے تھے۔

(سنن ترمذی باب من رأی الجهر ببسم الله الرحمن الرحیم ح ۲۴۵ وقال: لیس اسناده بذاك وقد قال بهذا عدة من أهل العلم من أصحاب النبي ﷺ منهم: أبوهريرة و ابن عمرو ابن عباس و ابن الزبیر ومن بعدهم رأوا الجهر ببسم الله الرحمن الرحيم ...الخ)

یہی حدیث حافظ ابن عبدالبر نے اپنی سند کے ساتھ بیان کی:

''**أن النبي عليه السلام كان يجهر ببسم الله الرحمن الرحيم .**''

یعنی نبی ﷺ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم جہراً پڑھتے تھے۔ (الاستذکار ۱/ ۴۵۷ تحت ح ۱۶۱)

اور امام اسحاق بن راہویہ کی روایت میں ہے:

''**یعني کان یجهر بها**'' یعنی آپ اسے جہراً پڑھتے تھے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ۲/ ۴۷)

اس حسن لذاتہ حدیث کے بارے میں احمد یار نعیمی بریلوی نے بحوالہ ترمذی لکھا ہے:

''فرماتے ہیں... یہ ایسی حدیث ہے جس کی اسناد کچھ بھی نہیں۔'' (جاء الباطل حصہ دوم ۲۴)

۲۸) ایک صحیح و ثابت موقوف حدیث میں آیا ہے کہ عبدالرحمٰن بن ابزیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی، آپ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم جہراً یعنی اونچی آواز سے پڑھی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱/ ۴۱۲ ح ۴۷۵۷، شرح معانی الآثار للطحاوی ۱/ ۱۳۷، السنن الکبریٰ للبیہقی ۲/ ۴۸)

اس اثر کی سند بالکل صحیح ہے۔ (دیکھئے میری کتاب: ہدیۃ المسلمین ص ۳۷۔ ۳۸ ح ۱۳)

لیکن احمد یار نعیمی بریلوی نے لکھا ہے: ''لہٰذا یہ حدیث شاذ ہے اور احادیث مشہورہ کے مقابل حدیث شاذ قابل عمل نہیں ہوتی۔'' (جاء... حصہ دوم ص ۲۵)

[باقی آئندہ شمارے میں۔ ان شاء اللہ]

حافظ زبیر علی زئی

مسند الربیع بن حبیب نامی کتاب ہرگز ثابت نہیں

" الجامع الصحیح مسند الإمام الربیع بن حبیب " کے نام سے خارجیوں (اباضیوں) کی کتاب ہرگز ثابت نہیں، لہٰذا اس کی کسی ایک روایت سے بھی استدلال مردود ہے۔

۱: اس کا بنیادی راوی ربیع بن حبیب بن عمر الازدی البصری مجہول ہے۔

(دیکھئے کتب حذر منھا العلماء لابی عبیدۃ مشہور بن حسن ۲/ ۲۹۵)

۲: ربیع بن حبیب سے نیچے والی سند کا راوی ابو یعقوب یوسف بن ابراہیم بن صیاد الاباضی یعنی خارجی (گمراہ، ضال مضل) اور مجہول العدالت ہے۔

۳: یوسف بن ابراہیم سے ربیع بن حبیب تک سند نامعلوم ہے۔

۴: یوسف بن ابراہیم تک سند بھی نامعلوم ہے۔

۵: ربیع بن حبیب کا مذکور استاد ابوعبیدہ مسلم بن ابی کریمہ التمیمی بھی مجہول ہے۔

۶: خیر القرون اور زمانۂ تدوینِ حدیث کے ثقہ محدثین میں سے کسی نے بھی اس کتاب یعنی مسند الربیع بن حبیب کا کوئی تذکرہ نہیں کیا۔

۷: اس کتاب میں بشر بن غیاث المریسی وغیرہ کذاب اور دجال راویوں سے بھی روایات موجود ہیں، لہٰذا اس مجہول کتاب کو "الجامع الصحیح" قرار دینا بہت بڑا جھوٹ ہے۔

۸: اس جعلی مسند میں موزوں پر مسح کرنے کے خلاف اور اس طرح کی دوسری جھوٹی روایات بھی موجود ہیں۔

۹: اس جعلی مسند میں فاتحہ خلف الامام کی وہ روایت بھی موجود ہے جس میں آیا ہے کہ نبی ﷺ نے مقتدیوں سے فرمایا: سورۂ فاتحہ کے سوا کچھ نہ پڑھو کیونکہ سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ جو لوگ اس کتاب کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں وہ اسے بھی تسلیم کریں۔

۱۰: اس مسند کی کئی روایات صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہما کی صحیح احادیث کے خلاف ہیں۔